

# انگلی کی قیمت



اشتیاق احمد



شوکی سیرینو

# انگلی کی قیمت

استیاق احمد

# چند شریف

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، آقائے نامدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم قربانی کرتے تھے دو مینڈھے سیاہ اور سفید رنگ ملے ہوئے سینک دار اور بسم اللہ کہتے اور اللہ اکبر (ذبح کے وقت) اور میں نے دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ سے ذبح کرتے اپنا پاؤں ان کے پٹھے پر رکھ کر۔

مصنف ابن ماجہ شریف، جلد سوم  
صفحہ نمبر ۱۲، حدیث نمبر ۱



محمد حقوق بچہ پبلشرز محفوظ ہیں

نام ناول — انگلی کی قیمت  
طابع — اشتیاق احمد  
کتابت — سعید نامدار  
سرورق — طاہر ایس ملک  
قانونی مشیر — شمیم احمد ایڈووکیٹ  
مطبع — عظیم علیم پرنٹرز  
قیمت — روپے

اشتیاق پبلی کیشنز

۹/۱۲ نعیر آباد — مسلم پورہ — سائبرنگھان — لاہور

فون نمبر: 321537



## دو باتیں

السلام علیکم !  
اگر میں یہ کہوں کہ آپ اس بار شو کے میرے  
کے طوفانی کمانڈر کا ساتھ نہیں دے سکیں  
گے تو یہ ایک پُرانی بات ہو گئی۔ اگر یہ  
کہوں کہ آخری صفحہ تک کچھ نہیں جانے  
پائیں گے تو یہ بھی ایک عام بات ہو  
گی، کیونکہ ایسی باتیں ہیں آپ کو دو باتیں  
میں کہتا رہتا ہے۔ خیر۔ ایک بار اور  
سے۔ "انگلز کی قیمت" بڑے وقت آپ کے  
بے قرار آسمان سے باتیں کرتے نظر آئے تھے۔  
اور یہ ایک پختہ دو کاج والی بات ہو گئی۔  
یعنی نادان کی قیمت میں آپ ہوائی سفر  
بھی کر لیں گے۔ چلیے دُعا میں، یہ  
دیے گئے۔

آپ کے ادارے اشتیاق پہلے کیشنز کے تحت  
آئندہ کچھ اور دلچسپ سلسلے شروع کرنے کا پروگرام  
ہے۔ جو وقت آنے پر آپ کے علم میں لائے  
جائیں گے۔

ابہ انگل کی قیمت میں ڈوب جائے۔  
آپ نے ایسے نادان کم پڑے ہوئے گئے۔

نسب

## پارسل

”چلو بھئی، پھر مہی اٹھا لاتے ہیں اتنی جان کے جہیز کا صندوق“  
میں نے اداس انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

”ہاں اور کیا کیا جا سکتا ہے۔ قدرت نے ہمیں ایک بار پھر  
بالکل مفلس، غریب اور تلاش بنا دیا ہے۔“ اشفاق حسرت زدہ لہجے  
میں بولا۔

”تو آخر خاتمِ طائی کی قبر پر لات مارنے کی ضرورت ہی کیا تھی ہم  
نے کوئی ٹھیکہ تو لے نہیں رکھا۔“ آفتاب بھٹا اٹھا۔

”چھوڑو۔ جو ہوا، اچھا ہوا۔ آؤ چلیں۔“ اخلاق اٹھتے ہوئے

بولا۔

ارشاد بے چارگی کے عالم میں ہمیں دیکھ رہا تھا۔ ہم نے اس  
پر ایک نظر ڈالی۔ اندرونی دروازے سے ہوتے اندر پہنچے۔ ابھی  
کباڑ خانے سے صندوق نکال کر باہر آئے ہی تھے کہ اتنی جان  
آتی نظر آئیں۔ ان کا منہ حیرت سے کھل گیا۔



"بجی - دفتر - آفتاب بولا۔

"دفتر، مل - لیکن - دفتر۔۔۔۔۔"

نہ جانے آبا جان کیا کتنا چاہتے تھے، جلد مکمل نہ کر سکے۔  
دراصل اس وقت کمرے میں میز کرسی، فرشی دری وغیرہ کوئی چیز  
بھی نہیں تھی۔ ارشد فرش پر ایک کونے میں اکڑوں بیٹھا تھا۔ اس کے  
چہرے پر عجیب قسم کے آثار تھے۔

"قت تو کیا، پوری ہو گئی ہے؟ آتی جان نے گھبرا کر کہا۔

"چور فرنیچر نہیں لے جایا کرتے۔ نقدی اور زیورات پر ماتہ  
صاف کیا کرتے ہیں بیگم۔ آبا جان نے انہیں گھورا۔

"تو کیا دفتر کا فرنیچر تم نے کسی کو ادھار دے دیا ہے؟ آتی  
جان نے کہا۔

"جی نہیں آتی جان، ایسی کوئی بات نہیں۔ ہم نے فرنیچر ایک  
ضرورت مند کو دے دیا ہے۔"

"یہ تو بہت اچھا کیا تم نے۔ تو جا کر اور فرنیچر لے آؤ  
بازار سے۔ یہ پرانا صندوق کیوں اٹھا لائے ہو؟ آبا جان پہلے خوش  
اور پھر حیران ہو کر بولے۔

"افسوس، ہم نیا فرنیچر نہیں خرید سکتے، اشتاق نے آہ بھری۔

"وہ کیوں؟" دونوں ایک ساتھ بولے۔

"اس لیے کہ اب بنک میں بھی ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔"

"ارے یہ کیا؟ حیرت سے کھسے منہ سے بشکل نکلا۔

"جی ہاں۔ یہ وہی صندوق ہے، آپ کے جہیز کا۔"

"وہ تو میں بھی دیکھ رہی ہوں، لیکن اس کی اب پھر تیس کیا  
ضرورت پڑ گئی؟"

"دفتر میں فرنیچر نام کی کوئی چیز موجود نہیں آتی جان، لہذا ہم  
اسی صندوق کو فرنیچر کا نام دے سکتے ہیں۔"

"میں سمجھی نہیں۔ ان کے بچے میں بلا کی حیرت تھی۔

"کیا نہیں سمجھیں بیگم؟ اچانک آبا جان کی آواز سنائی دی۔ وہ  
ڈرائنگ روم سے نکلتے نظر آئے۔ شاید ابھی ابھی کسی ملاقاتی کو رخصت  
کر کے آئے تھے۔

"ان لوگوں کا کتنا ہے کہ ان کے دفتر میں فرنیچر نام کی  
کوئی چیز نہیں ہے، لہذا یہ پھر میرا تاریخی صندوق لے جا رہے ہیں۔"

"یہ۔۔۔ یہ میں کیا سن رہا ہوں۔ شوکی، کیا پوری ہو چکی  
ہے؟ آبا جان نے بوکھلا کر کہا اور تیزی سے دفتر کی طرف پکے۔  
انہی جان کا بھی رنگ اڑ گیا۔ وہ بھی آبا جان کے پیچھے دوڑیں۔  
ہم بھی تھکے تھکے اذناں میں ان کے پیچھے قدم اٹھاتے دفتر میں  
داخل ہو گئے۔ دونوں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دفتر کا جائزہ لینے میں  
اس طرح محو تھے، جیسے کوئی انتہائی دل چسپ فلم دیکھ رہے ہوں۔

"یہ۔۔۔ یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں۔ آبا جان بڑبڑائے۔



میں نے ہمت کر کے کہا۔

"کیا مطلب؟ یہ تم کیا پہیلیاں سی بھجوا رہے ہو، جلدی بتاؤ۔  
امی جان تقریباً چنچ اٹھیں۔"

"کل ہمارے پاس ایک شخص آیا تھا۔ وہ بہت پریشان تھا۔  
بہت ہی زیادہ۔ اس کی درد بھری کہانی سن کر ہماری آنکھوں  
میں آنسو آ گئے اور ہم نے اسے اپنا تمام بینک بلینس اور فرنیچر  
دے دیا۔"

"کیا کہا؟ امی جان چنچ اٹھیں۔"

"آخر اسے کیا پریشانی تھی شوکی۔ اب جان نے بھی مجھے گھورا۔  
"بات دراصل یہ ہے اب جان، وہ ایک سود خود کے چنگل میں  
پھنسا ہوا تھا۔ اس نے آج سے پانچ سال پہلے ایک سود خود سے بیس  
ہزار روپے قرض لیے تھے، اس شرط پر کہ وہ دو ہزار روپے ہر ماہ  
سود کے ادا کرتا رہے گا۔ اسے اپنی بیٹی کی شادی کرنا تھی، لیکن وہ  
سود خود کو دو ہزار روپے ماہوار ادا نہیں کر سکا۔ قرض کی رقم سود  
در سود بڑھتی چلی گئی، یہاں تک کہ دو لاکھ کے قریب بن گئی۔ یہ  
خوف ناک صورت حال اور بھی خوف ناک ہوتی چلی جا رہی تھی۔ وہ  
اس کے نیچے دبتا چلا جا رہا تھا۔ سود خود اس کا مکان اور مکان  
کی ہر چیز نیلام کرانے پر تل گیا۔ وہ بے چارہ خاندانی آدمی ہے۔  
مکان نیلام ہونے کی صورت میں اس کا ہارٹ فیل ہو جاتا۔ وہ کل

ہمارے پاس آیا تھا۔ اس نے یہ ساری صورت حال بتائی۔ ہم نے  
اپنی کل پونجی کا جائزہ لیا۔ قرض کی کل رقم میں اور ہمارے کل  
بینک بلینس میں چند سو روپے کا فرق نکلا، ہم نے یہ فرق فرنیچر فروخت  
کر کے پورا کر دیا اور تمام رقم اسے دے دی۔ یہ ہے کل کہانی۔  
میں کتا چلا گیا۔

"اے خدا، تم نے تمام رقم اسے دے دی، بغیر کسی ثبوت  
کے۔ امی جان خوفزدہ ہو کر بولیں۔"

"یہ بات نہیں امی جان، اس کے پاس ہر قسم کے کاغذات  
تھے۔ سود خود سے قرض لیتے وقت جو کاغذات تیار کیے گئے تھے،  
وہ اب ہمارے پاس موجود ہیں۔ ایک اسٹام فروش کے ذریعے تیار  
کرائے گئے تھے۔ ہم نے اس اسٹام فروش کو فون کیا، تصدیق کی، پھر  
اس شخص کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور آخر اس نتیجے پر  
پہنچے کہ وہ جھوٹا ہرگز نہیں ہے۔ اب ہم اس کے سوا اور کیا کر  
سکتے تھے کہ اسے سب کچھ دے کر اس سود خود سے اس کی  
گردن بچا لیتے۔ میں روانی کے عالم میں کتا چلا گیا۔"

"اے خدا، ان لوگوں کی عقل کو کیا ہو گیا ہے۔ یہ لڑکے تو  
بالکل ہی کسی کام کے نہیں، سو فی صد مجھے ہی ہیں۔ امی جان  
تھر تھر کانپتی آواز میں بولیں۔"

"بیگم مہر کر۔ جو ہوا، اچھا ہوا۔ آج کے زمانے میں اس



حد تک سخاوت عجیب ضرور لگتی ہے، لیکن ناممکن نہیں۔ آؤ میں اندر چل کر تمہیں بتاؤں کہ پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یارِ غار حضرت صدیق اکبرؓ نے کیا کیا تھا۔

یہ کہہ کر انہوں نے اتنی جان کو بازو سے پکڑا اور اندر کی طرف چلے، لیکن ابھی دروازے تک نہیں پہنچے تھے کہ ایک آواز کانوں سے ٹکرائی:

"آپ کی ڈاک ہے۔"

ہم نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا، ادھر پوسٹ مین کمرے کی حالت کو بھٹی بھٹی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ آخر اس سے رہنا نہ گیا:

"یہ، یہ کیا، ہوا جناب۔ اوہ سمجھا شاید آپ دفتر میں رنگ روغن کرنے کا پروگرام بنا چکے ہیں۔"

"وہ۔ اوہ، ہاں۔ یہی سمجھ لیں۔ آفتاب نے بوکھلا کر کہا۔ اتنے میں پوسٹ مین اندر آچکا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا چوکور پارسل تھا۔

"آپ کا پارسل ہے۔"

"پارسل؟ یہ کہاں سے آگیا؟ میں نے حیرت زدہ ہو کر کہا، کیونکہ آج تک ہمیں کوئی پارسل موصول نہیں ہوا تھا۔

"جی مقامی ہی ہے۔ اس نے کہا: گویا پارسل ہمارے شہر

سے ہی کسی نے بھیجا تھا۔

دستخط لے کر پوسٹ مین تو چلا گیا اور ہم پارسل کو میز پر رکھ کر اسے گھورنے لگے۔ آبا جان اور اتنی جان بھی دروازے پر ہی رک گئے تھے۔

"کیا تم لوگ اسے کھول کر نہیں دیکھو گے؟ اتنی جان بے چین ہو کر بولیں۔

"پہلے ہم یہ اندازہ لگا لینا چاہتے ہیں کہ اس میں ہے کیا۔ کیا خیال ہے آفتاب؟" میں نے کہا اور آفتاب کی طرف دیکھنے لگا۔

"میرے خیال میں تو یہ پارسل کسی فرشتے نے بھیجا ہے۔ ہماری قربانی سے خوش ہو کر۔" اس نے فوراً کہا۔

"بے وقوفانہ باتیں نہ کرو، فرشتے پارسل نہیں بھیجا کرتے۔" میں نے مزہ بنایا۔

"ہو سکتا ہے۔ یہ ہمارے کسی دشمن نے بھیجا ہو اور اس میں کوئی خطرناک چیز ہو۔" اخلاق نے خیال ظاہر کیا۔

"ہاں، اس کا امکان ہے۔ اشتقاقی تم کیا کہتے ہو؟"

"میرا خیال یہ ہے کہ کوئی شخص ہم سے کوئی گیس مل کرانا

چاہتا ہے اور معاوضے کے طور پر اس نے کوئی تیلور بھیج دیا ہے، جو اس چوکور ڈبیا میں بند ہے۔" اس نے پارسل کی طرف اشتداد کیا۔



"ہوں" اور میرا خیال ہے، یہ کسی کا مذاق ہے، کیونکہ آج یکم اپریل ہے۔ میں نے سوچ سمجھ کر کہا۔

"لاحول ولا قوۃ" ایک تو ہمارے ملک سے یکم اپریل فول کی لعنت نہیں جاتی ہے یہ کہ کہ اشفاق نے پارسل کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اس کا کپڑا اتارنے لگا۔

اتنی، اتو دروازے کے پاس گویا چپک کر رہ گئے تھے۔ ان کی نظریں کھلتے ہوئے پارسل پر جمی تھیں

"بھئی لگے ہاتھوں میرا بھی خیال سن لو" آبا جان مسکرائے۔  
"جی فرمائیے" اشفاق کے ہاتھ رک گئے۔ کیونکہ پارسل کھلنے

کے قریب تھا۔

"اس میں کوئی خوف ناک چیز ہے۔"

"خوف ناک چیز، لیکن آبا جان، بھلا کسی کو کوئی خوف ناک چیز بھیجنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"ضرورت کے بارے میں تو جیسے والا ہی بتا سکتا ہے۔"

"خیر، دیکھ لیتے ہیں، پارسل اب کھلا ہی چاہتا ہے۔"

"مجھے تو اشفاق والا خیال ہی درست لگتا ہے، یعنی زیور

والا۔ اتنی جان جلدی سے بولیں۔

پارسل پر سے اب کپڑا اتر چکا تھا۔ ہم نے دیکھا کہ لکڑی کی

چار انچ مربع فٹ ڈبیا کو چاروں طرف سے میخوں کے ذریعے جڑ دیا

گیا تھا۔

"بھئی ذرا جلدی کرو" اسے کھلو۔ میری بے چینی اب آسمان سے باتیں کرنے لگی ہے۔ اتنی جان گھبرا کر بولیں۔

"تب ہماری بے چینیاں بھی کہیں آپ کی بے چینی کے آس پاس ہی گھوم بھر رہی ہوں گی؟" آفتاب بڑبڑایا۔

"بھائی جان، یہ چاقو کی مدد کے بغیر نہیں کھلے گا۔ اشفاق انگلیوں سے زور لگانے کے بعد بولا۔

"اچھا، یہ تو چاقو۔" میں نے میز کی دراز سے چاقو نکال کر اسے دے دیا۔

اب اس نے چاقو کی مدد سے لکڑی کی ڈبیا میں لگی میخیں

اکھاڑنا شروع کیں، یہاں تک کہ سب میخیں اکٹھا گئیں، اوپر والا ڈھلنا

اٹھتے ہی ہم اس پر جھک گئے۔ اتو اتنی بھی اب اندرونی دروازے

کے پاس کھڑے نہ رہ سکے اور تو اور ارشد بھی اٹھ آیا۔ ہم سب

نے دیکھا، ڈبیا کے اندر سفید کاغذ میں کوئی تین انچ لمبی چیز رکھی

تھی۔ ڈبیا کھلتے ہی کافور کی خوشبو ہمارے نoses میں گھسٹی چلی گئی۔

"اوہو، کافور کی بو۔ یہ تو تمہارے پر لگائی جاتی ہے۔"

اتنی جان نے ابشت زدہ انداز میں کہا۔

"ہاں، لیکن اتنی جان، اس خفی سی ڈبیا میں کم از کم کوئی مردہ

نہیں ہو سکتا۔ آفتاب نے جلدی سے کہا۔

”اشفاق، جلدی سے کپڑے کی تہیں الگ کر دو۔“ میں نے بے چین ہو کر کہا۔

”کپڑا بالکل کفن کی مانند سفید ہے۔ میں تو اسے ہاتھ نہیں گاؤں گا۔“ اشفاق تھرا کر بولا۔

”کیا پاگل بن ہے۔“ میں نے جھنجلا کر کہا اور خود ڈبیا میں سے وہ چیز اٹھالی۔ پھر کپڑے کا ایک سرا پکڑ کر اسے نیچے چھوڑ دیا اور ہاتھ اوپر اٹھا دیا۔ کپڑے کے بل کھلتے چلے گئے۔ دوسرا لمحہ تھرا دینے والا تھا۔

ہماری آنکھوں کے سامنے میز پر ایک انگلی پڑی تھی۔ انسانی ہاتھ سے کاٹی گئی ایک انگلی۔

## انگلی والا

”اٹ میرے اللہ، یہ تو انسانی انگلی ہے۔ اتنی جان تھر تھر کانپتی آواز میں بولیں۔“

”ہاں، اس میں کوئی شک نہیں۔“ آجا جان بڑبڑائے۔

”لیکن سوال یہ ہے کہ کسی نے ہمیں یہ انگلی کیوں بھیجی۔“

”یہ انگلی ہے کس کی۔ اس کے ہاتھ سے الگ کن حالات میں ہو گئی؟ اخلاق نے جلدی جلدی کہا۔“

”یہ سوال نہیں، سوالات ہیں۔ ان کے جوابات ہمیں معلوم

نہیں۔“ آفتاب نے منہ بتاتے ہوئے کہا۔

”معاملہ بہت سنگین ہے۔ کسی نے کسی خاص مقصد کے

تحت ہی اسے بھیجا ہے۔“ آجا جان بولے۔

میں نے جلدی سے ردی کی ٹوکری میں سے پارسل کا کاغذ

اٹھایا۔ کھولتے وقت ہم نے جیسے والے کا نام اور پتا دیکھنے کی

بھی زحمت گوارا نہیں کی تھی۔ اس وقت یہ کسے معلوم تھا کہ اللہ



سے کیا چیز بچنے والی ہے۔ کاغذ کو سیدھا کیا گیا۔ سلوٹس دور کی گئیں۔ جھینے والے نے اپنا نام فاضل بیگ لکھا تھا۔ پتا بھی زیادہ دور کا نہیں تھا۔ ہم پندرہ منٹ میں وہاں پہنچ سکتے تھے۔ میں نے کاغذ تہ کر کے جیب میں رکھ لیا۔ پھر اٹھتے ہوئے بولا:

"اتنی جان۔ اس انگلی کو حفاظت سے سیفت میں رکھ دیں۔ ہم ذرا فاضل بیگ سے مل جائیں۔ میں نے انگلی واپس ڈبیا میں رکھتے ہوئے کہا۔

"اچھا۔ انہوں نے کہا۔

"ارشاد دروازہ اندر سے بند کر کے بیٹھ جاؤ۔ کسی سے بھی ملاقات نہ کرنا، کوئی بھی آئے۔ بند دروازے میں سے ہی کہہ دینا کہ ہم لوگ کہیں گئے ہیں۔

"اوکے سر۔۔۔ ارشد بولا۔

"آخر اتنی احتیاط کی کیا ضرورت ہے بھائی جان؟ اشتقاق نے حیران ہو کر کہا۔

"ہمیں ایک انسانی انگلی پارسل میں ملی ہے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں۔ جھیننے والا ضرور ہم سے کچھ چاہتا ہے۔ سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ جس شخص کے ہاتھ کی یہ انگلی ہے، وہ کہاں ہے۔ کیا اسے نہیں معلوم کہ اس کے ہاتھ کی انگلی کاٹ لی گئی ہے۔ میں نے جلدی جلدی کہا۔

"ہوں بات تو ٹھیک ہے، لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ یہ انگلی بالکل نفی ہو۔ یہ پلاسٹک سرجری کا دور ہے؟ اشتقاق نے پوچھ کر کہا۔

"اوہ۔ اس طرٹ تو ہم نے دھیان دیا ہی نہیں۔ غیر فاضل بیگ کے گھر جانے سے پہلے انگلی کو اچھی طرح دیکھ لیتے ہیں۔ یہ کہہ کر میں نے ڈبیا اتنی جان سے لی۔ اس میں سے انگلی کو نکال کر دیکھا۔ وہ ہتھیلی کے بالکل پاس سے کٹی ہوئی تھی۔ کٹی ہوئی جگہ پر خشک خون ابھی تک دیکھا جاسکتا تھا۔ ہاتھ سے چھو کر دیکھا تو اندرونی ہڈی بھی صاف محسوس ہوئی۔ دونوں بوڑھے دیکھے۔ انگلی بالکل سوکھ چکی تھی اور سخت تھی۔ نہ جانے یہ کب کسی کے ہاتھ سے جدا ہوئی تھی اور اب تک کبھی مٹری کیوں نہیں بھتی۔ میں نے اسے ناک کے قریب لے جا کر دیکھا تو موم کی ہلکی سی خوشبو محسوس ہوئی۔

"ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے اسے موم کے اندر رکھا گیا ہے۔ شاید اسی لیے یہ گلی مٹری نہیں۔ موم کو پگھلا کر اگر کوئی چیز اس میں رکھ دی جائے اور موم کو جم جانے دیا جائے تو اس میں رکھی گئی چیز جوں کی توں رہتی ہے۔"

"اگر اسے موم میں رکھا گیا ہے، تب پھر یہ ضرور اصلی ہے اشتقاق نے فوراً کہا۔

"میرا بھی یہی خیال ہے کہ یہ اصلی انگلی ہے۔ اب تم دیر نہ کرو۔ اس کی حفاظت ہم کر لیں گے۔ آج جان بولے۔  
 شکریہ؟ ہم ایک زبان ہو کر بولے اور دفتر سے نکل گئے۔  
 ہمارے نکلتے ہی ارشد نے دروازہ بند کر لیا۔

پارسل پر "شاہین سٹریٹ" اسل روڈ کھٹا ہوا تھا۔ ہم بل روڈ پر صرف پندرہ منٹ میں پہنچ گئے۔ چند منٹ شاہین سٹریٹ کی تلاش میں صرف ہوئے اور پھر ہم گیارہ نمبر مکان کے دروازے پر دستک دے رہے تھے۔ یہ ایک پرانا مکان تھا؛ تاہم حالت خستہ نہیں تھی۔ میں نے دستک دی تو فوراً ہی دروازہ کھلا اور ایک ادھیڑ عمر آدمی کی صورت نظر آئی۔

"کیا بات ہے؟" اس کا ہجر اکھڑا تھا۔  
 "ہیں مسٹر فاضل بیگ سے ملنا ہے۔" میں نے منہ بنایا۔  
 "تو اس میں منہ بنانے کی کیا بات ہے۔ اس نے بھی منہ بنایا۔

"وہی بات جو آپ کے لیے ہے۔ کیا آپ ہی فاضل بیگ ہیں؟" میں نے جلدی سے کہا۔

"بالکل ہیں" اس میں کوئی شک نہیں ہے۔  
 "آپ نے جو پارسل ہمیں بھیجا، اس کے لیے شکریہ ادا کرتے آئے ہیں۔" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"پارسل، کیسا پارسل۔ آپ لوگ ہیں کون؟  
 "ہیں شوکی برادران کہا جاتا ہے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی تو آپ کا پارسل ہمیں ملا ہے۔" میں نے کہا۔

"میں نے آپ لوگوں کو کوئی پارسل نہیں بھیجا۔ بھیتا بھی کیسے اور کیوں؟ جب کہ میں آپ کو جانتا تک بھی نہیں؟ اس نے انکار میں سر ہلایا۔

"کیا آپ پڑھے لکھے نہیں ہیں؟ میں نے چستے ہوئے لہجے میں کہا۔

"بالکل ہوں میں تو میٹرک پاس ہوں۔"

"اور آپ اخبار نہیں پڑھتے؟"

"اخبار بھی پڑھتا ہوں۔ آپ کیا کتنا چاہتے ہیں؟  
 "پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ ہمارے نام سے واقف نہ ہوں، جب کہ آئے دن اخبارات میں ہمارے بارے میں شائع ہوتا رہتا ہے؟"

"آپ نے کیا نام بتایا، شوکی برادران؟ اس نے قدرے حیران ہو کر کہا۔

"اے بالکل یہی نام بتایا تھا۔ آفتاب نے آپ کیسے یاد کیا۔  
 "اب میں سمجھ گیا کہ آپ لوگ کون ہیں۔ اس نے خوش ہو کر کہا۔



”تو پھر کیا آپ نے ہمیں وہ پارسل نہیں بھیجا؟ میں نے جلدی سے کہا۔

”نہیں جناب، میں نے تو آپ کو کوئی پارسل نہیں بھیجا۔

آخر بات کیا ہے؟“

”کچھ نہیں، خدا حافظ۔“ میں نے کہا اور واپس مڑ گیا۔ وہ

حیرت زدہ انداز میں ہمیں دیکھتا ہی رہ گیا۔

سڑک پر آکر ہم نے ٹیکسی کی تلاش میں نظریں دوڑانا شروع

کر دیں۔

”اس آدمی کا تو پارسل سے واقعی کوئی تعلق نظر نہیں آتا۔

اشفاق نے کہا۔

”ہاں، کسی نے اس کا صرف نام استعمال کیا ہے۔ سوال یہ

ہے کہ کس نے اور کیوں؟“

”میری سمجھ میں ایک بات آتی ہے۔“ اخلاق پر ہوش لے

میں بولا۔

”ضرور کوئی بے ڈھب بات آئی ہوگی۔“ آفتاب مسکرایا۔

”اور وہ بے ڈھب بات یہ آتی ہے ذہن میں کہ کیوں نہ

ہم صبح کے اخبارات میں ایک عدد اشتہار دے دیں کہ جس کسی

کی بھی وہ انگلی ہو، ہم سے آکر وصول کر لے۔“

”ترکیب تو شاندار ہے اور ہم اسے بے ڈھب نہ کہیں گے۔

سکتے۔ کیوں آفتاب، تمہارا کیا خیال ہے؟ میں نے مسکرا کر اس

کی طرف دیکھا۔

”آپ اپنے ہی خیال سے کام چلا میں بھائی جان۔ اس

نے منہ بنایا۔

”تو ٹھیک ہے، ہم اشتہار ضرور دیں گے۔“ میں نے پُر غم

لہجے میں کہا۔

”لیکن بھائی جان، اخبارات ولے اشتہار ادھار یا مفت نہیں

چھاپتے۔“

”اوہ یاد آیا، ہمارے پاس تو بینک بینس نام کی کوئی چیز نہیں

ہے۔ خیر آبا جان، اتنی جان سے ادھار لے کر کام چلا دیں گے۔ میں

نے کہا۔

گھر پہنچ کر ادھار لینے کا معاملہ پیش آیا۔ آبا جان نے تو

جیب اٹا کر دکھا دی، البتہ اتنی جان کی بچت کی عادت کام آگئی

اور انہوں نے دو سو روپے ہمیں دے دیے، لیکن اس وعدے پر

کہ جوں ہی کسی کیس سے فیس وصول ہوتی ہے، ہم ان کے دو سو

روپے لوٹا دیں گے۔ ہم نے مسکراتے ہوئے وعدہ کر لیا۔ ہمارے

مسکراتے پر انہوں نے ہمیں گھور کر دیکھا، جیسے کہ یہی ہوں، اگر

اب مسکراتے تو دو سو روپے واپس لے لوں گی۔ اس ٹوٹ کے

پیش نظر کہ کہیں ہم بھولی میں نہ مسکرا دیں، جلدی سے دتر میں آگئے۔



"ہم میں سے ہر ایک اشتہار کا مضمون تیار کرے۔ جس کا مضمون اچھا ہوگا، شائع ہونے کے لیے دیا جائے گا۔" میں نے فیصلہ سنایا۔ ہم چاروں قلم کاغذ سنبھال کر بیٹھ گئے۔ یہ دیکھ کر ارشد بول اٹھا۔

"کیا میں بھی اشتہار بنانے میں حصہ لے سکتا ہوں؟"

"ضرور کیوں نہیں، لیکن واضح رہے، یہ کوئی اتفاقی سلسلہ نہیں ہے۔ میں نے اعلان کرنے والے انداز میں کہا۔

"مجھے انعام کا کوئی لائحہ نہیں۔ یوں بھی میں جانتا ہوں آپ مجھے انعام نہیں دے سکیں گے، بلکہ اس مرتبہ تو شاید وقت پر تنخواہ بھی نہ دے سکیں؛ تاہم پروا نہیں۔ آپ ایک نیک مقصد کے تحت تنگ دست ہوتے ہیں۔ میں بھی آپ لوگوں کا پوری طرح ساتھ دے دوں گا۔"

"فکر نہ کرو، اللہ تعالیٰ نیت کو دیکھتا ہے، وہ ضرور ہماری مدد کرے گا۔" میں نے جذباتی انداز میں کہا اور اشتہار بنانے لگا۔ چند منٹ بعد پانچ اشتہار تیار تھے۔ ہر ایک کا اشتہار پڑھا گیا، اور آخر میں نے فیصلہ سنایا؛

"آفتاب کا اشتہار سب سے اچھا ہے۔"

اس کے الفاظ درج ذیل تھے؛

"ہمیں ایک کٹی ہوئی انگلی موصول ہوئی ہے۔ جس کسی

کی بھی وہ انگلی ہے، ہم سے موصول کر سکتا ہے، لیکن اس کے لیے مزدوری ہے کہ وہ ہاتھ ساتھ لایا جائے، جس سے انگلی کاٹی گئی ہے۔ اس ہاتھ کی عدم موجودگی میں انگلی نہیں ٹوٹائی جائے گی۔ پوری طرح اطمینان کرنے کے بعد ہی انگلی دی جا سکتی ہے۔ مکمل ثبوت ساتھ لے کر آئیں، تاکہ ہم بالوس نہ ٹوٹا سکیں۔"

اس کا اشتہار پڑھ کر ہم بے ساختہ مسکرا دیے۔ باقی اشتہار اس کے مقابلے میں پس پچھے سے تھے۔

"یار بلکھن، تویں تو کسی ایڈورٹائزنگ کمپنی میں ملازمت کر لینی چاہیے۔"

"اگر آئندہ ایک ہفتے تک آپہیں کوئی کیس نہ ملا تو ضرور یہی کر دوں گا۔ اس نے فوراً کہا اور ہم مسکراتے لگے۔

ارشاد اشتہار لے کر چلا گیا۔ ہم نے ہر اخبار میں اشتہار دینے کا فیصلہ کیا تھا، تاکہ جس کی بھی انگلی ہے، اسے خبر ہو جائے۔ اب چونکہ ہمیں اطمینان ہو چکا تھا، اس لیے سکون کی ٹینڈ سو گئے، لیکن دوسری صبح ابھی ناشتے کے لیے تیار ہی ہو پاتے تھے کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ اتنی صبح چونکہ فون صرف آبا جان یا امی جان کے کسی عزیز کا آ سکتا تھا، اس لیے ہم نے فون کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ آبا جان نے ریسپور اٹھا کر کان



سے لگا لیا اور بولے :

”مشاق احمد بول رہا ہوں، آپ کون ہیں ؟“

دوسری طرف کی بات سن کر انہوں نے ریسپور میری طرف

بڑھا دیا اور بولے :

”شوکی، تمہارا فون ہے ؟“

”شکر یہ آجا جان“ میں نے کہا اور ریسپور لے کر کان سے

لگا لیا۔

”جی فرمائیے، شوکی بول رہا ہوں۔“

”وہ اشتہار تمام اخبارات میں آپ نے دیا ہے ؟“

”اشتہار کے نیچے ہمارا نام، پتا اور فون نمبر دیا گیا ہے۔“

پھر آپ کو اس بات میں کیا شک ہے۔“ میں نے کہا۔

”میں آپ کے منہ سے سن رہا ہوں۔“

”چلیے خیر، اشتہار ہم نے ہی شائع کرایا ہے۔“

”شکر یہ، میں اس انگلی کو دیکھنا چاہتا ہوں۔“

”انگلی کو دیکھنا چاہتے ہیں، تو کیا، وہ آپ کی ہے؟ میں

نے پر جوش لے لیا۔

”مم، میری۔ نہیں خیر، میری تو نہیں ہے۔“

”پھر آپ اسے کیوں دیکھنا چاہتے ہیں۔“

”جہاں تک میرا اندازہ ہے، وہ میرے ایک دوست کی ہے۔“

اس نے کہا۔

”لیکن آپ اسے کس طرح پہچانیں گے؟“ میں نے حیران

ہو کر کہا۔

”پہلے میں انگلی دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد پہچاننے

کا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔“

”گویا آپ یہ اطمینان کرنا چاہتے ہیں کہ ہمارے پاس واقعی

کوئی انگلی موجود ہے۔“ میں نے جہر ت بھری آواز میں کہا۔

”جج، جج ہاں۔“

”خیر، تو پھر تشریف لے آئیے۔ ارے ہاں، آپ کا نام؟ میں

جلدی سے بولا۔

”مجھے بابر نیاز کہتے ہیں۔“

”تشریف لے آئیے۔ میں نے کہا اور ریسپور دکھ دیا، پھر

انہیں ساری بات بتائی۔

”اس کا مطلب ہے، بابر نیاز کا اس انگلی یا انگلی والے سے

کوئی تعلق ضرور ہے۔“ اشتاق سوچ میں گم ہوا۔

”لیکن خود انگلی والا کہاں ہے۔“ کیا اس نے ابھی تک

کسی اخبار میں اشتہار نہیں پڑھا؟ اشتاق نے کہا۔

”خدا ہی بہتر جانتا ہے۔“ میں نے گڑھے اچکائے۔

”ایسا معلوم تو کہ ہے، جیسے اس انگلی کا معاملہ خاص معاملہ

بن جائے گا۔ میں نے فکر مندانہ لمحے میں کہا۔

”تو اس میں فکر مند ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ ہمارے پاس ان دنوں کوئی کیس نہیں ہے اور ہم بالکل پھکڑ ہو رہے ہیں۔ کیا خبر اس انگلی کی بدولت ہمیں کوئی کیس مل جائے۔“ آفتاب نے جلدی جلدی کہا۔

”کچھ بھی ہو، انگلی کا معاملہ ہے بہت عجیب، نہ جانے کس نے اسے پارسل کی صورت میں ہمیں بھیجا ہے اور وہ چاہتا کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ باہر نیاز کون ہے۔ اس کا انگلی سے کیا تعلق ہے۔“

”جبنا سوچتے جاؤ گے، اتنا ہی اچھتے جاؤ گے۔ بہتر یہ ہو گا کہ ناشتا کر کے دفتر میں چلے جاؤ اور باہر نیاز کا انتظار کرو۔ ایسے معاملات میں تیل دیکھا جاتا ہے اور تیل کی دھارت آیا جان نے مشورہ دیا۔“

ہم نے ان کے مشورے کے مطابق جلدی جلدی ناشتا کیا اور دفتر میں آکر بیٹھ گئے۔ اگرچہ ابھی دفتر کا وقت نہیں ہوا تھا۔ ارشد بھی ابھی تک نہیں آیا تھا۔ ٹھیک بیس منٹ بعد ایک سرخ کار ہمارے دفتر کے سامنے رکتی نظر آئی۔ اس میں سے سرخ سوٹ میں ملبوس ایک آدمی اترا۔ اگرچہ موہم بہت شروع ہو چکا تھا اور سردی کا اب دور دور ملک پتا نہیں تھا۔ اس کے

باوجود وہ شخص گرم سوٹ میں ملبوس تھا۔ وہ بہت پتلا دہلا تھا، تاہم جوان ہی تھا۔ اس کی پیشانی پر بیل پڑے ہوئے تھے۔ دروازے پر پہنچ کر اس نے اندر ایک نظر ڈالی۔ ہم فرش پر چٹائی بچھا کر بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کے چہرے پر الجھن کے ساتھ ساتھ حیرت بھی نظر آئی۔ آخر اس نے کہا:

”کہیں میں کسی غلط جگہ تو نہیں آ گیا؟“

”اگر آپ باہر نیاز ہیں تو درست جگہ آئے ہیں اور اگر آپ باہر نیاز نہیں ہیں تو پھر ضرور غلط جگہ آ گئے ہیں، لہذا پہلے تو اپنا تعارف کرا لیں۔“ آفتاب نے بے چارگی کے انداز میں کہا۔

”میں باہر نیاز ہوں۔ میں نے ہی تھوڑی دیر پہلے آپ کو فون کیا تھا۔“ اس نے ایک ایک لفظ بجا بجا کر کہا۔

”پہلے خبر، اگر آپ واقعی باہر نیاز ہیں تو سن لیجئے، آپ بھی غلط جگہ نہیں آئے۔ بس آج کل ذرا ہمارا دفتر ہی کچھ غلط نظر آ رہا ہے۔ آفتاب نے کندھے اچکائے۔

”میں نے تو سنا تھا۔ آپ لوگ دھڑا دھڑ کیس کر رہے ہیں اور کافی پیسے کما رہے ہیں۔“

”آپ نے کچھ غلط نہیں سنا تھا۔“

”پھر آپ کے دفتر کی یہ حالت کیوں نظر آ رہی ہے؟“



”جی ہاں، ایک اتفاق کے تحت۔ آپ اس بات کو چھوڑیے اور انگلی کی بات کیجیے۔ میں نے بے چینی سے پہلو بدلا۔“  
 ”ہاں، اسی لیے تو آیا ہوں۔ مجھے وہ انگلی دکھائیے؟ اس نے فوراً کہا۔

”انگلی تو ہم بعد میں دکھائیں گے۔ پہلے آپ یہ بتائیں آپ کا اس انگلی سے کیا تعلق ہے؟“ اشفاق نے چھتے ہوئے جیسے میں کہا۔  
 ”مجھے افسوس ہے، جب تک میں انگلی نہ دیکھ لوں۔ آپ کو کچھ نہیں بتا سکتا۔“ اس نے کہا۔

”اس صورت میں ہمیں آپ سے بھی بڑھ کر افسوس ہے۔ جب تک آپ ہمیں یہ نہیں بتائیں گے کہ آپ کا انگلی سے کیا تعلق ہے، ہم وہ آپ کو نہیں دکھائیں گے۔“ اشفاق نے بضد ہو کر کہا۔  
 ”یہ تو کوئی اچھی بات نہیں۔“ اس نے جھٹکا کر کہا۔

”اور جو بات آپ کہہ رہے ہیں، وہی کب اچھی ہے؟“ آفتاب بول اٹھا۔

”خیر نہیں، میں آپ کو اس انگلی کے پانچ ہزار روپے دے سکتا ہوں، چاہے وہ کسی بھی شخص کی انگلی کیوں نہ ہو۔ میرے کام کی ہو یا نہ ہو، بس آپ انگلی میرے حوالے کر دیں

اور پانچ ہزار روپے نقد وصول کریں؟“  
 اس کی پیش کش نے ہمیں حیرت میں ڈال دیا۔ وہ ایک انسانی انگلی کے پانچ ہزار روپے دے رہا تھا، جب کہ ہمیں یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ انگلی کس کی ہے اور اس شخص کا اس سے کیا تعلق ہے؛ چنانچہ میں نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا: ”نہیں جناب، ہم اس طرح انگلی آپ کے حوالے نہیں کر سکتے۔ انگلی ہم صرت انگلی کے حق دار کے حوالے کریں گے۔“  
 ”اور حقدار چاہے آپ کو ایک پیسہ بھی نہ دے؟“

”نہ دے؟“ ہم لاپچی ہرگز نہیں ہیں۔“ اشفاق نے جلدی سے کہا اور آفتاب نے اسے تیز نظروں سے گھورا جیسے کہہ رہا ہو؛  
 ”لاپچی ہم بے شک نہیں ہیں، لیکن دفتر کی حالت تو دیکھ لو۔“

”تو پھر سن لیجیے، اس انگلی کا حق دار دراصل میں ہی ہوں۔“ اس نے کہا، عین اسی وقت فون کی گھنٹی نے ہمیں چونکا دیا۔ آج بے چارہ ٹیلی فون بھی فرس ہو رہا تھا۔ میں نے جلدی سے پسپو ہوا اٹھا لیا۔

## ایک تجویز

"ہیلو، کون صاحب بول رہے ہیں؟" دوسری طرف سے ایک گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی۔  
 "جی میں شوکی ہوں، شوکی برادرز کے دفتر سے بول رہا ہوں۔  
 فرمائیے، آپ کو کس سے ملنا ہے؟"  
 "آپ ہی سے بات کر رہا ہوں۔ یہ انگلی والا اشتہار آپ نے شائع کرایا ہے؟"

"جی، جی ہاں۔ میں نے حیران ہو کر کہا۔

"میں وہ انگلی دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"لیکن کیوں؟" میں نے جلدی سے کہا۔

"بس دیکھنا چاہتا ہوں۔ فرمائیے، کیا میں اسی وقت آ

جاؤں؟"

"آپ اپنا فون نمبر لکھوا دیں۔ ہم آپ کو کچھ دیر بعد فون

کر کے بتا دیں گے۔ اس وقت ہم بہت مصروف ہیں۔"

"بہت اچھا۔ فون نمبر نوٹ کر لیں، لیکن ذرا جلدی سے

فون کیجیے گا۔"

"اچھا، نمبر لکھوائیے، میں بولا اور اس نے نمبر لکھوا دیے۔ اس

کے ریسپورڈ رکھنے کے بعد میں پھر باہر نیاز کی طرف ٹرا۔

"ہاں جناب، معاف کیجیے گا۔ فون نے گفت گو کا سلسلہ

درہم برہم کر دیا۔ ہاں تو آپ کیا کہہ رہے تھے؟"

"یہ کہ میں آپ کو اس انگلی کے پانچ ہزار روپے دے

سکتا ہوں؟"

"دیکھیے جناب، اگر وہ انگلی آپ کی ہے تو ہم آپ کو وہ

بالکل مفت دینے کے لیے تیار ہیں، لیکن جہاں تک ہمارا خیال

ہے، انگلی آپ کی نہیں ہے، کیونکہ آپ کے دونوں ہاتھوں کی

انگلیاں پوری ہیں؟"

"دیکھیے، اس معاملے میں منہ نہ کیجیے۔ چلیے میں آپ کو

اس انگلی کے دس ہزار روپے دینے کے لیے تیار ہوں؟"

"یہ، یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ آفتاب نے بوکھلا کر کہا۔

"میں بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ رقم میں ساتھ لایا ہوں۔

انگلی مجھے دے دیں اور رقم وصول کر لیں؟"

"شہریے، میں اندر سے انگلی لاتا ہوں۔ آفتاب نے اٹھتے

ہوئے کہا۔



"آفتاب بیٹھ جاؤ۔ یہ ٹھیک ہے کہ ہمیں اس وقت پیسوں کی بہت ضرورت ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم سوچے سمجھے بغیر رقم لے کر انگلی دے دیں۔ جب تک یہ ہمیں صاف صاف نہیں بتا دیتے کہ ان کا اس کٹی ہوئی انگلی سے کیا تعلق ہے اور یہ کیوں انگلی حاصل کرنا چاہتے ہیں، اس وقت تک ہم انہیں انگلی نہیں دیں گے۔ آپ نے میرا جواب سن لیا اب فرمائیے، آپ کیا کہتے ہیں؟ میں نے غصے کے عالم میں کہا۔

"یہ کہ میں انگلی کے آپ کو پندرہ ہزار روپے تک دے سکتا ہوں۔ اس سے زائد ایک پیسہ نہیں دوں گا۔ اب آپ کی مرضی ہے۔ یہ میرا کارڈ ہے۔ اس پر پتا بھی لکھا ہے اور فون نمبر بھی۔ اگر آپ انگلی مجھے دینے کا فیصلہ کر لیں تو فون کر دیجیے گا یا خود انگلی لے کر میرے گھر آجائیے گا۔ یہ کہہ کر وہ ایک جھٹکے کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا اور کمرے سے نکل کر اپنی سرخ کار میں بیٹھ گیا۔ وہ ڈرائیوڈ کے ساتھ نہیں آیا تھا، لہذا ڈرائیوڈنگ سیٹ پر بیٹھتے ہی اس نے کار سٹارٹ کر دی اور ہماری طرف دیکھے بغیر یہ جاؤ وہ جا۔

چند لمحے تک کمرے میں موت کی خاموشی طاری رہی۔ نہ جانے ہم کب تک خاموش رہتے کہ آبا جان کی آواز کانوں سے مگرائی۔

"جی، یہ تو کوئی لمبا چکر معلوم ہوتا ہے۔ انگلی کسی کو سونچ سمجھ کر ہی دینا۔ انہوں نے اندر آتے ہوئے کہا۔ ان کے پیچھے اتنی جان بھی تھیں؛ گویا دونوں دروازے سے لگے ہمارے درمیان ہونے والی گفت گو سنتے رہے تھے۔

"آپ فکر نہ کریں آبا جان، ہم اس معاملے پر پوری طرح غور کریں گے۔

"ٹھیک ہے، ہم تو چلتے ہیں۔ انہوں نے کہا اور اتنی جان کے ساتھ اندر چلے گئے۔

"اور وہ فون کس کا تھا؟

"انگلی کے ایک درخواست مند کا۔ وہ بھی انگلی دیکھنا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا۔

"اوہ، اور وہ کون ہیں؟ آفتاب بولا۔

"نام، نام تو میں ان سے پوچھنا ہی بھول گیا۔ خیر، انہوں نے فون نمبر لکھوا دیا تھا۔ یہ کہہ کر میں نے فون پر وہ نمبر ملائے فوراً وہی آواز سنائی دی:

"ہیلو، سر بہرام بول رہا ہوں، کون صاحب؟

"شوکی برادرز، تو آپ سر بہرام ہیں۔ چلتے آپ نے نام نہیں بتایا تھا۔ ہاں تو اب ہم فارغ ہیں اور آپ سے انگلی کے بارے میں بات کرنے کے لیے تیار ہیں۔ آپ فون پر بات



کرنا پسند کریں گے یا یہاں تشریف لانا؟

"مہم میں آ رہا ہوں۔ مہربانی فرما کر میرا انتظار کیجیے۔  
ان الفاظ کے ساتھ ہی ریسپورڈ رکھ دیا گیا۔  
"لو بھئی، ہم تو تم سن ہی چکے ہو۔ سر بہرام خود آ رہے

ہیں۔"

"یا اللہ رحم، یہ انگلی آہڑ کیا بلا ہے۔" اشفاق بڑبڑایا۔  
"کوئی زبردست بلا معلوم ہوتی ہے۔" آفتاب مسکرایا۔

پھر جلدی سے بولا:

"میرا خیال ہے ہمیں ایک عدد کیس بہت جلد ملنے والا  
ہے اور ہماری مفلسی پر لگا کر اڑنے والی ہے۔  
"خوابوں کی دنیا میں رہنے والے عقل مند نہیں کہلاتے۔ صبر  
کرد اور دیکھو کہ یہ اونٹ کس کردٹ بیٹھتا ہے۔"

ہمیں صرف بارہ منٹ انتظار کرنا پڑا۔ ایک بہت لمبی  
نیلے رنگ کی کار دفتر کے سامنے رکی اور اس میں سے ایک  
بچے قد کا، لیکن پتلا دہلا آدمی اتر کر دروازے کی طرف  
بڑھا۔ گاڑی وہ خود ہی چلا کر آیا تھا۔

"یہی سر بہرام معلوم ہوتے ہیں۔" میں نے دہی آواز میں  
کہا۔ اتنے میں وہ دروازے تک پہنچ گیا اور اندر نظر ڈال کر  
ٹھٹھک گیا۔

"یہ۔۔۔ یہ دفتر ہے شوکی برادران کا۔"

"جی ہاں، آج تو یہی ہے، کل شاید اس کا نقشہ بدل  
جائے۔" اخلاق نے سر د آہ بھری۔

"اور شوکی برادرز آپ لوگ ہی ہیں؟ اس کے بچے سے  
بے یقینی ٹپک رہی تھی۔

"ہاں، یہ بھی درست ہے۔" میں نے تسلیم کیا۔

"یقین نہیں آتا، لیکن یقین کیے بغیر چارہ بھی نہیں۔  
ویسے کیا آپ لوگ اس قابل بھی نہیں کہ چند کرسیاں ادراک  
میز ہی خرید سکیں؟ اس نے عجیب سے لمحے میں کہا۔

"کب کوئی کن حالات کا شکار ہو جائے، کوئی نہیں جانتا۔

یہ سب قدرت کے کھیل ہیں۔ کل تک ہمارے پاس تین  
لاکھ روپے کے قریب تھے، آج تین روپے بھی مشکل بنے نکلیں  
گئے۔"

"ادھر، کیا تم لوگوں کا کوئی نقصان ہو گیا ہے؟ وہ بولا۔

"نہیں تو، ہم نے تو دراصل ایک بہت ہی فائدے کا

سودا کیا ہے۔ آپ یوں کہہ سکتے ہیں کہ اس سودے میں رقم

لگانے کے لیے ہمیں فریجنر تک فروخت کرنا پڑا ہے۔" میں نے

وضاحت کی۔

"اوہ، یہ سن کر بہت خوشی ہوئی۔" خیر، اب مجھے یقین



”اگلی۔ تو وہ اگلی آپ کو ملی ہے۔“ سربراہ نے ہمارے قریب ہی پشالی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ پھر چونک کر بولا:  
”آپ لوگوں نے صرف دفتر کا فرنیچر فروخت کیا ہے یا اپنے سارے گھر کا بھی؟“

”صرف دفتر کا، لیکن ہم اپنے اتو اتی کو ذرا بھی پریشان کرنا پسند نہیں کرتے، اس لیے گھر کا فرنیچر اٹھا کر دفتر میں نہیں لائے۔“

”تو پھر یہ کیا ہے؟“ اس نے اتی جان کے جینز کے صندوق کی طرف اشارہ کیا۔ اس پر اب ایک کپڑا بچھا دیا گیا تھا اور یہ اس لیے لا کر دکھا گیا تھا کہ اگر کسی مہمان کے لیے چائے لانا پڑے تو کم از کم چائے کی ٹرے تو اونچی جگہ رکھی جاسکے۔

”یہ ایک پرانا اور تباہ کن قسم کا صندوق ہے۔ آپ ان باتوں کو چھوڑیے اور اصل موضوع کی طرف آئیے۔ اس اگلی سے آپ کو اس قدر دل چسپی کیوں ہے؟“

”بس ہے، مہربانی فرما کر مجھے وہ اگلی دکھا دیں۔“  
”ہمیں افسوس ہے، ہم وہ اگلی اس طرح نہیں دکھا سکتے۔“

پہلے آپ کو بتانا ہو گا کہ آپ کا اس سے تعلق کیا ہے؟  
”افسوس، میں تعلق نہیں بنا سکتا۔ آپ وہ مجھے دکھا دیں، لیکن نہیں۔ پہلے تو یہ بتائیے، کسی اور نے تو آپ کو اس اگلی کے

لسے میں فون نہیں کیا؟“

”جی ہاں، ایک صاحب آئے تو تھے۔ اگلی کے پندرہ ہزار روپے تک دے رہے تھے، لیکن ہم نے انکار کر دیا۔ میں نے فوراً کہا۔“

”کیا آپ نے انہیں اگلی دکھا دی تھی؟“ سربراہ نے چونک کر پوچھا۔ ”اور وہ تھے کون؟“

”جی نہیں، انہوں نے دیکھے بغیر ہی اتنی قیمت لگا دی۔ ہم ان سے بھی اگلی کا تعلق معلوم کرتے رہے، لیکن انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔“

”خیر، اگر یہ بات ہے تو سینے میں اس اگلی کے آپ کو پچاس ہزار روپے دینے کے لیے تیار ہوں۔“ اس نے ایک دم کہا۔

”جی، ہم ایک ساتھ چلا آئیں۔ ارشد کی آنکھیں بھی میرت سے پھیل گئیں۔ عین اسی وقت اندرونی دروازے پر دستک ہوئی۔ ہم نے چونک کر ادھر دیکھا، پھر میں اٹھا اور دروازہ تھوڑا سا کھولا۔ اندرونی جان کھڑکی تھیں۔ ان کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور آنکھوں میں ایک تیز چمک تھی۔“

”خیریت؟“ میں نے وہی آواز میں پوچھا۔

”پچاس ہزار روپے میں اگلی دے دو۔ اس سے اچھا کوئی



تمہیں اور کوئی نہیں ملے گا۔

”ابا جان کہاں ہیں؟“ میں نے سرسری لہجے میں کہا۔

”وہ اپنے کمرے میں اخبار پڑھ رہے ہیں۔“

”ٹھیک ہے۔ آپ ان کے پاس جا کر بیٹھیے اور دیکھیے کہ قدرت کو کیا منظور ہے۔ یہ کہہ کر میں پھر سر بہرام کی طرف پلٹا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اچھی دروازے پر سے نہیں ہٹی تھیں۔ بدستور چپکی رہی تھیں اور ہمدی بات چیت سنتی رہی تھیں، جب کہ ابا جان نے اس کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

”سر بہرام، ہم اس وقت تک انگلی آپ کو فروخت نہیں کریں گے، جب تک اس میں دل چسپی کی وجہ نہ بتا دیں۔“

”اگر یہ بات ہے تو میں چلتا ہوں۔“ اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”جیسے آپ کی مرضی۔“ میں نے کندھے اچکائے۔

وہ اٹھ کھڑا ہوا اور پھر ہم سے ہاتھ ملا کر دروازے کی طرف بڑھا، کچھ سوچ کر رکا اور بولا:

”شاید آپ میری پیش کش مان لیں۔ چلیے، میں ایک لاکھ روپے تک دینے کے لیے تیار ہوں۔ اگر سودا منظور ہو تو اسی نمبر پر فون کر دیجیے گا۔“ اس نے کہا اور باہر نکل گیا۔ اسی وقت ہم نے دیکھا۔ اس کے دونوں ہاتھ بھی بالکل درست حالت میں تھے،

گویا اس کی انگلی بھی کٹی ہوئی نہیں تھی اور ہمیں تلاش تھی ایک ایسے آدمی کی، جس کی ایک انگلی غائب ہو۔ دوسری طرف ہم یہ بھی سوچ رہے تھے کہ اس انگلی کو فروخت کرنے کا ہمیں کوئی حق ہے یا نہیں۔ بظاہر وہ ہمارے پاس ایک امانت تھی۔ امانت بھیجنے والے کے بارے میں ہمیں کچھ معلوم نہیں تھا۔ فاضل بیگ کا نام ضرور سامنے آیا تھا، لیکن اس سے ملنے کے بعد ہم اسی نتیجے پر پہنچے تھے کہ پارسل اس نے نہیں بھیجا تھا؛ البتہ یہ انجمن ضرور تھی کہ بھیجنے والے نے اس کا نام کیوں استعمال کیا تھا۔ فی الحال ہم اس نتیجے پر ضرور پہنچے تھے کہ آخر بھیجنے والے کو کسی نہ کسی کا نام تو ضرور ہی پارسل پر لکھنا تھا۔ باہر نیاز اور سر بہرام کی آمد کی وجہ سے آج ہمیں صبح سے ہی دفتر میں بیٹھنا پڑ گیا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ آج سکول سے چھٹی تھی اور ارشد بھی آگیا تھا۔

”میری ایک تجویز ہے۔ انگلی کا معاملہ ہر لمحے پر اسرار سے پر اسرار تر ہوتا جا رہا ہے، ان حالات میں ہمیں ہاتھ پیر ہلانے ہی ہوں گے۔ اشتقاق اور اخلاق، تم ایسا کرو کہ فاضل بیگ کی انگلیانی شروع کر دو اور اگر کوئی نئی بات معلوم ہو تو فوراً ہمیں فون کر دو۔“

”ٹھیک ہے، ہم اسی وقت جاتے ہیں۔ اشتقاق بولا۔“



"اگر تم دونوں اسی وقت جانے پر تیار نہ ہوتے تو میں اپنی خدمات پیش کر دیتا۔ آفتاب نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں، ہم جانتے ہیں۔" اخلاق نے جمل کر کہا۔

"آپس میں لڑنے کی بجائے دشمن سے لڑائی کی سوچو۔

میں انگلی کسی نے بلاوجہ نہیں دھبھی؟" میں نے منہ بنا کر کہا اور وہ دونوں جلدی سے نکل گئے۔

"آؤ بھئی، ذرا ہم آبا جان کو انگلی کے بارے میں بتا آئیں۔

ان سے مشورہ ضروری ہو گیا ہے اور پھر اتنی جان کو انگلی کی حفاظت کے لیے بھی کہنا ہے۔" میں نے آفتاب سے کہا، پھر اٹھتے ہوئے بولا۔

"ارشاد پوری طرح ہو کس بیٹھو، کہیں کوئی اور ملاقاتی نہ آ

دھکے۔ ایسی صورت میں خود اُٹھیں بلا لینا۔"

"جی اچھا، آپ فکر نہ کریں۔"

ہم اندر پہنچے، اتنی جان اور آبا جان زور شور سے بحث میں

مصروف تھے۔ معلوم ہوا، بحث کا موضوع ہم چاروں ہی ہیں اور

اتنی اس بات پر گہرا رہی ہیں کہ ہم اپنا نفع نقصان نہیں سمجھتے،

ہمیں دیکھتے ہی بول اٹھیں،

"بیجیے، وہ آگئے۔ غضب خدا کا۔ وہ کم بختی اری انگلی

پچاس ہزار روپے میں بھی نہیں دی۔"

"اتنی، آپ میری بات بھی تو سُنئے، جاتے ہوئے مہرہام اس انگلی کے ایک لاکھ روپے لگا گئے ہیں۔"

"کیا؟" آبا جان اور اتنی جان ایک ساتھ چلائے۔ دونوں

کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ میں نے جلدی سے کہا:

"جی ہاں، وہ انگلی کوئی معمولی انگلی نہیں ہے اور پھر مسئلہ

تو یہ ہے کہ وہ ہمارے پاس بطور امانت ہے۔ ہم اسے فروخت

کرنے کا حق کسی طرح بھی نہیں رکھتے۔ ہم نا جائز دولت کس طرح

حاصل کر لیں، جب کہ حلال کی روزی کھانے کا شبہ کیے ہوئے ہیں۔"

"آبا جان، ایک لاکھ روپے کا ذکر سن کر اتنی جان کا حیرت

میں ڈوبنا تو سمجھ میں آتا ہے، لیکن میں حیران ہوں کہ آپ بھی

ابھی تک حیرت کے سمندر میں غوطے کھا رہے ہیں۔"

"میں حیران ایک لاکھ روپے کی پیش کش پر نہیں ہوں،

بلکہ پیش کش کرنے والے کا نام سن کر حیران ہوا ہوں۔"

"جی کیا مطلب؟ کیا آپ مہرہام کا نام سن کر حیران ہوئے

ہیں؟ میں نے بھی حیران ہو کر پوچھا۔

"ہاں، مجھے حیرت ہے۔ مہرہام جیسا آدمی اس انگلی میں

دل چسپی لے رہا ہے، کمال ہے۔"

"تو آپ مہرہام کو جانتے ہیں۔ آفتاب نے جلدی سے کہا۔

"ہاں، بہت اچھی طرح۔ وہ ملک کی اہم ہستی ہے۔ بہت



بڑا آدمی ہے۔ حکومت کی کرسی پر کوئی آئے، کوئی جائے۔ سر بہرام سے ہر حکمران مدد لیتا ہے، مشورے لیتا ہے۔ سر بہرام بہت ہی بڑا سیاست دان ہے۔ بیرونی ممالک کے معاملات کو بھی بہت اچھی طرح سمجھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ملک کا صدر کوئی بھی ہو، سر بہرام کی حیثیت ہمیشہ اہم ترین رہتی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کے پاس دولت بھی بے تحاشا ہے۔ ملک میں اس کے بے شمار کارخانے اور عیالیں ہیں۔ حکومت کو مالی امداد بھی بہت دیتا ہے۔

"ہجرت ہے" اس جیسے بڑے آدمی کا تعلق ایک کٹی ہوئی انگلی سے، جب کہ انگلی اس کے اپنے ہاتھ کی بھی نہیں ہے۔ میں بول اٹھا۔

"میری ایک تجویز ہے، لیکن میں جانتا ہوں، تم مانو گے نہیں،" پھر بھی کون سا ضرور۔ تم یہ انگلی پولیس کے سولے کر دو۔ وہ خود ہی اس کا معاملہ حل کر دے گی۔

"یہ تجویز تو آبا جان ہم واقعی نہیں مان سکتے۔ میں نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"میں محسوس کر رہا ہوں کہ تم خطرات سے کھیل رہے ہو۔ اگر سر بہرام جیسے آدمی اس انگلی کو حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اور بھی کئی لوگ یہی چاہتے ہوں گے اور وہ اسے حاصل کرنے کا کوئی غلط طریقہ بھی اختیار کر سکتے ہیں۔"

"اوہ" ہم دھک سے رہ گئے۔ عین اسی وقت فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

"ہیلو۔" میں نے جلدی سے فون کا ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے اشفاق کی آواز سنائی دی۔

"بھائی جان، یہ میں ہوں اشفاق۔ فاضل بیگ اس وقت گھر میں نہیں ہے۔ وہ شام پانچ بجے سے پچھلے گھر میں نہیں آتا۔ ایک بڑے گھر میں ملازم ہے، غناساں ہے وہاں۔ اس نے جلدی جلدی بتایا۔

"اور اس بڑے گھر کے مالک کا نام کیا ہے؟ میں نے پوچھا۔

"بابر نیاز، اشفاق بولا۔

"کیا کہا، بابر نیاز۔ ٹھیک ہے، تم واپس آ جاؤ۔" میں نے کہا اور ریسیور رکھ دیا اور ان سے بولا:

"فاضل بیگ، بابر نیاز کا ملازم ہے۔"

"اوہ۔" آفتاب کے منہ سے نکلا۔ اس کے چہرے پر ہجرت کے آثار پھیل گئے۔ معاملہ اب اور آگے بڑھ گیا تھا۔ میں جلدی جلدی آبا جان کو بابر نیاز کے بارے میں بتانے لگا۔

آدھ گھنٹے بعد اشفاق اور افلاق واپس آ گئے۔ ہم پھر دفتر میں آ بیٹھے۔ نہ جانے کیوں ہمارے دل دھک دھک کر رہے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کچھ ہونے والا ہے۔ ہم نے اشفاق اور افلاق



کو بھی سر بہرام کے بارے میں بتا دیا۔  
 "بھائی جان، وہ — وہ انگلی کہاں ہے؟ اخلاق نے کانپتی  
 آوازیں کہا۔

"ام، اقی، امی جان۔"

میں اس سے زیادہ نہ کہہ سکا۔ اسی وقت دروازے پر ایک  
 غنڈہ صورت آدمی دکھائی دیا۔

## خیریت نہیں ہے

"ہیلو۔" اس نے بے حیائی کے انداز میں دانت نکالے۔  
 "وعلیکم ہیلو، فرمائیے کیا بات ہے، کون ہیں آپ؟" میں  
 نے خشک انداز میں کہا۔  
 "ارے، تم لوگ مجھے نہیں جانتے۔ میں ہوں ڈگو، وہ ہنسا۔  
 "ڈگو؟ یہ کیا نام ہوا؟"

"پتا نہیں، بس یہی نام ہے میرا۔ اب تم بولچھو گے، میرا  
 کام کیا ہے۔ تو سنو، لوگوں کی خدمت کرنا۔ میں اس وقت تمہاری  
 خدمت کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ میں نے اخبارات میں اشتہارات  
 دیکھے ہیں۔ میں ان اشتہارات کو دیکھ کر ہی اپنے لیے کام تلاش  
 کرتا ہوں، وہ انگلی دکھانا ذرا۔"

"کیوں، کیا وہ تمہاری انگلی ہے؟" میں نے جل کر کہا۔  
 حالانکہ وہ انگلی اس شخص کی ہو ہی نہیں سکتی تھی، کیونکہ اس کا  
 رنگ کالا بھینگ تھا اور وہ انگلی کسی صاف رنگ والے کی تھی۔

"نہیں۔ یہ دیکھو، میری انگلیاں بالکل پوری ہیں۔ گن لو۔ کسی مائی کے لال میں اتنی بہت ہے کہ میری انگلی کاٹ سکے۔ ہاں تو ذرا دکھانا وہ انگلی۔"

"لیکن جب وہ انگلی تمہاری نہیں ہے تو پھر کیوں دیکھنا چاہتے ہو؟" آفتاب نے تملکا کر کہا۔

"میں نے کہا نا، اخبارات میں اشتہارات دیکھ کر میں اپنا کام تلاش کرتا ہوں۔ انگلی والا معاملہ مجھے بہت عجیب محسوس ہوا، لہذا میں صبح سویرے یہاں آ گیا۔ میں نے ایک شخص کو سرف کار میں سے اتر کر تمہارے دفتر میں داخل ہوتے دیکھا، پھر سر بہرام آئے۔ میں سمجھ گیا کہ یہ دونوں اس انگلی کے چکر میں آئے ہیں، اگر اتنے بڑے بڑے لوگ انگلی کے چکر میں ہیں تو میرے لیے وہ ضرور کام کی چیز ہے، لہذا وہ انگلی تم میرے حوالے کر دو۔"

"لیکن کیوں کر دیں؟ میں نے بھنا کر کہا۔

"اس لیے کہ میں ڈگو ہوں اور شریعت لوگ ڈگو سے ڈرتے ہیں۔"

"لیکن ہمیں تم سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔" اخلاق لا پرواہی سے بولا۔

"وہ کیوں؟" اس نے آنکھیں نکالیں۔

"اس لیے کہ وہ انگلی یہاں نہیں ہے۔ ہم نے محفوظ جگہ

رکھوا دی ہے، لہذا چلتے پھرتے نظر آؤ، ورنہ پولیس کے حوالے کر دیں گے۔"

"اوپو، تو یہ بات ہے۔ خیر، بھئی بات دراصل یہ ہے، میں تو یونہی مذاق کر رہا تھا۔ اچھا، میں چلتا ہوں۔" اس نے کہا اور اٹھتے ہی کمرے سے نکل گیا۔ ہم حیران رہ گئے کہ یہ کس قسم کا بد معاش ہے جو ہم جیوں سے ڈر کر بھاگ گیا۔

خدا کا شکر ہے، یہ بلا تو ٹلی۔ اب ہم اس انگلی کا کیا کریں؟ میں نے لمبا سانس بھرا۔

"بھائی جان، اگر جان کی امان پاؤں تو ایک تجویز پیش کروں؟" آفتاب نے مسکرا کر کہا۔

"یہ بھائی جان ہیں، کوئی شمنشاہ نہیں؟" اشفاق نے منہ بتایا۔

"کیا تجویز ہے؟" میں نے بے چین ہو کر کہا۔

"کیوں نہ ہم کل کے اخبارات میں پھر ایک اشتہار دیں؟" آفتاب بولا۔

"کیسا اشتہار؟ ہم تینوں ایک ساتھ بولے۔

"یہ کہ انگلی کا مالک نہیں مل سکا۔ اب ہم اسے نیلام کرنا چاہتے ہیں، جو حضرات بولی دینا چاہیں، شام پانچ بجے شوکی اینڈ کمپنی کے دفتر آ جائیں۔"

"انگلی کی بولی؟" میرے منہ سے نکلا۔



"جی ہاں، انگلی کی بولی۔ کیا انگلی کی نیلامی نہیں ہو سکتی؟"  
 "ہاں، ہونے کو کیا نہیں ہو سکتا۔ صاف ظاہر ہے، اس  
 نیلامی میں سر بہرام اور باہر نیاز تو ضرور ہی شامل ہوں گے، شاید  
 کچھ اور لوگ بھی شامل ہو جائیں۔"

"ترکیب مناسب معلوم ہوتی ہے۔ اس طرح کچھ اور لوگ بھی  
 سامنے آجائیں گے۔"

"لیکن اس کے لیے تو ہمیں ایک عدد نقارے کا انتظام  
 کرنا ہوگا۔ آفتاب پر جوش بھے میں بولا۔

"نقارے کا انتظام، کیا مطلب؟ یہ یہاں نقارا کہاں سے  
 ٹپک پڑا۔"

"نیلامی سے پہلے نقارا بھی تو بجایا جاتا تھا، پرانے زمانے  
 میں۔ آفتاب مسکرایا۔

"بجایا جاتا ہوگا اور پھر نقارا تو پورے شر کو جمع کرنے  
 کے لیے بجایا جاتا تھا۔ ہمیں تو بس چند آدمی جمع کرنے ہیں اور  
 پھر جب نقارا بجایا جاتا تھا، اس زمانے میں اخبارات نہیں ہوتے  
 تھے۔"

"خیر، ہم خیالی نقارا بجالیں گے۔ آفتاب بولا۔  
 "بجالتا۔ نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے، اخلاق  
 نے اس پر جھد کسا۔"

"تو ٹھیک ہے، میں نیلامی کا اشتہار دے دیتا ہوں۔"  
 "لیکن بجائی جان، یہ تو سوچیں، اس طرح ہمیں وہ انگلی  
 نیلام کرنا پڑے گی، جب کہ ہم کہہ چکے ہیں، وہ ایک امانت ہے،  
 نہ جانے کس کی امانت؟"

"ہوں، لا حول ولا قوۃ۔ یہ بات تو ذہن سے نکل ہی گئی، خیر،  
 ہم اسے نیلام نہیں کریں گے۔ اس وقت تک انگلی کے سلسلے میں  
 ہمارے سامنے چار آدمی آتے ہیں۔ فاضل بیگ، باہر نیاز، سر بہرام  
 اور مسٹر ڈگوا، لیکن انگلی ان چاروں میں سے کسی کی بھی نہیں، آخر وہ  
 کس کی ہے۔"

"اگر ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ وہ کس کی ہے تو بھاگ کر  
 اسے دے نہ آئیں۔ اشفاق نے منہ بنایا۔

"خیر، بھاگ کر تو نہیں دے آئیں گے۔ پہلے تو اس سے یہ  
 معلوم کریں گے کہ اس کی انگلی کن حالات میں کٹی تھی، کس نے  
 کاٹی تھی۔"

"تو یہ کس مصیبت میں پھنس گئے ہم۔ اخلاق نے جھٹکا کر  
 کہا۔

"ذہن جب بُری طرح دکھنے لگے تو دفتر بند کر دیا اور اندر  
 چلے آئے۔ دوسرے دن کا اخبار جہاز سے چلا آیا تھا۔ اس میں  
 ہماری طرف سے ایک اشتہار شائع ہوا تھا، انگلی کی نیلامی کا اسل

ولیا ہی اشتہار۔ جیسا ہم نے سوچا تھا۔

ہم دھک سے رہ گئے۔ ہمارے ساتھ کسی نے چال چلی تھی اور وقت بھی صبح سویرے کا دیا ہوا تھا؛ گویا نیلامی میں حصہ لینے والے پہنچنے ہی والے تھے۔ ہم ہشتا کرنا بھول گئے۔ حالات بدتر ہو سکتے تھے، لہذا فوراً سب انیکم کا شان کو فون کیا۔  
"ہیلو انکل کا شان! میں شوکی بول رہا ہوں۔"

"اوہ شوکی! ہاں بھئی۔ ابھی ابھی تمہاری طرف سے شائع کرایا گیا اشتہار پڑھا۔ کل بھی تم نے اشتہار شائع کرایا تھا۔ یہ کیا دھندا شروع کر دیا تم نے؟ اس کے بجائے میں بلا کی حیرت تھی۔  
"انکل! مہربانی فرما کر فوراً یہاں آجائیں۔ ہمارے ساتھ دھوکا کیا گیا ہے۔"

"کیا مطلب؟ دھوکا؟"

"جی ہاں، دھوکے کا مطلب بس دھوکا ہی ہوتا ہے۔ میں نے جلدی سے کہا۔"

"اچھی بات ہے، میں آ رہا ہوں۔ اس نے کہا۔ میں نے ریسپور دیکھا ہی تھا کہ سرخ کار کو رکھتے دیکھا، پھر اس میں سے بابر نیاز اترتا۔ وہ بہت غصے میں معلوم ہو رہا تھا؛  
"تو تم لوگ کاروبار پر اتر آئے۔"

"ایسی کوئی بات نہیں۔ ابھی وضاحت کرتے ہیں۔ آپ تشریف

تو رکھتے؟

"تشریف کیا خاک رکھوں۔ ایک کرسی تک تو ہے نہیں تمہارے

دفتر میں۔"

"آفتاب، اخلاق، اشتقاق، ان جنگامی حالات کے لیے گرم کی

کرسیاں اٹھا لاؤ۔"

"جی بہتر۔ انہوں نے کہا اور کرسیاں اٹھا لائے۔ بابر نیاز

ابھی ایک کرسی پر بیٹھا ہی تھا کہ سر بہرام کی کار آکر رکی۔ اس کے چہرے پر خوشی کے آثار تھے۔ ہم پر نظر پڑتے ہی بولا:  
"بہت اچھا فیصلہ کیا آپ لوگوں نے؟"

"آئیے، آپ بھی تشریف رکھتے۔ میں نے کہا۔ اندر آتے

ہوئے سر بہرام نے بابر نیاز کو دیکھا۔

"یہ کون صاحب ہیں؟"

"یہ بھی انگلی خریدنے خواہش مند ہیں، ان کا نام بابر نیاز ہے۔"

"اور ان کا نام؟ بابر نیاز نے تھمکا کر کہا۔"

"سر بہرام؟ میں بولا۔"

"اوہ۔۔۔۔۔ اس نے قدرے حیران ہو کر کہا۔ اسی وقت

ڈنگو کی آواز ہمارے کانوں سے ٹکرائی۔

"تم لوگوں نے اچھا نہیں کیا دھوکا۔ خیر، تمہارے لیے

میں کون آگے بڑھتا ہے۔"



"یہ کون ذات شریف ہیں؟ سر بہرام نے حیران ہو کر کہا۔  
 "ان کا نام ڈوگو ہے۔ یہ بھی انگلی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔  
 آپ بھی تشریف لے آئیے۔"

"وہ تو لانا ہی پڑے گی۔ اس نے کہا اور اندر آکر بیٹھ گیا۔ اسی وقت ایک سفید ڈاڑھی والے شخص کا چہرہ دروازے پر نظر آیا۔

"میں نے کہا، وہ نیلا ہی نہیں ہوگی؟  
 "کیا آپ بھی بولی دیں گے۔ میں نے حیران ہو کر کہا۔ یہ  
 نیا چہرہ نظر آیا تھا۔

"ارادہ تو یہی ہے۔ مجھے پروفیسر جاموس کہتے ہیں۔ عجیب و  
 غریب چیزیں جمع کرنے کا شائق ہوں۔ میں نے سوچا، کیوں نہ  
 اپنے عجائب گھر میں اس انگلی کا اضافہ کر لیا جائے؟ اس نے  
 اندر آتے ہوئے کہا:

"آپ کس چیز کے پروفیسر ہیں جناب؟" آفتاب سے رمانہ  
 گیا۔

"کاشح کے۔" انہوں نے فوراً جواب دیا اور آفتاب اپنا سا  
 منہ لے کر رہ گیا۔

اسی قسم کے تین آدمی اور آئے۔ ہم سب انیسٹر کاشان  
 کا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے، کیونکہ ان لوگوں کے ہاتھوں

اور پیروں سے ہمیں وہی بچا سکتے تھے۔ اچانک ایک کار دروازے  
 کے سامنے آکر رکی۔ اور ہم ایک ساتھ بول پڑے:

"ارے انکل فارانی!"  
 "ٹال بھتی؟" یہ میں ہی ہوں۔ اس میں شک کی کوئی گنجائش  
 نہیں، لیکن یہ تم لوگ آج کل کیا کر رہے ہو۔ یعنی اب چیزوں  
 کی نیلامی کا کاروبار شروع کر دیا اور وہ بھی انسانی انگلیوں کا۔ میں  
 تو پڑھ کر حیران ہی رہ گیا تھا، پھر سوچا، کیوں نہ میں بھی گے  
 ماقول اس انگلی کو دیکھ لوں، شاید میں ہی خریدنے پر تیار ہو  
 جاؤں، کیا خیال ہے؟ انہوں نے اندر آکر سب سے ہاتھ ملاتے  
 ہوئے کہا اور پھر ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔

"خیال تو اچھا ہے۔ میں زبردستی مسکرایا۔  
 "پھر، اب انتظار کس بات کا ہے۔ کہاں ہے وہ انگلی۔  
 نیلامی شروع کر دنا؟

"ایک منٹ انکل، ہمیں ایک اور صاحب کا بھی انتظار  
 ہے۔ وہ بس پہنچنے ہی والے ہیں۔"

اور اسی وقت سب انیسٹر کاشان اپنی دروی میں آدھ رکا۔  
 "السلام علیکم حضرات، یہاں تو کافی لوگ جمع ہیں۔"

"جی ہاں، یہ سب انگلی کی بولی دینے آئے ہیں۔ یہاں تک  
 کہ ہمارے انکل فارانی بھی۔ میں نے جلدی سے کہا۔ دونوں نے



گر مجوشی سے ہاتھ تلایا، پھر انپکٹر کا شان بولے :  
 "ہاں بھئی، وہ تم کسی دھوکے کا ذکر کر رہے تھے :  
 "دھوکے کا ذکر کیا مطلب؟" انگل نڈانی نے حیران ہو کر  
 کہا۔

"بات دراصل یہ ہے کہ ہمارے ساتھ کسی نے دھوکا کیا  
 ہے۔ پرسوں ہمیں ایک پارسل ملا تھا۔ اس پارسل میں سے ایک  
 انسانی انگلی نکلی تھی۔ ہم اس شخص سے جا کر ملے، جس کا نام  
 پتا پارسل پر لکھا ہوا تھا، لیکن اس نے بتایا کہ پارسل سے اس کا  
 کوئی تعلق نہیں۔ یہ ایک حیران کن معاملہ تھا : چنانچہ ہم نے اخبار  
 میں اشتہار دے دیا کہ جس کسی کی انگلی ہے، آکر لے جائے، چنانچہ  
 کل تین آدمی آئے، لیکن وہ یہ ثابت نہ کر سکے کہ انگلی ان کی  
 ہے۔ لہذا ہم نے بھی ان کے حوالے نہ کی۔ آج صبح ہم اخبار  
 میں یہ اشتہار دیکھ کر حیران رہ گئے۔" یہاں تک کہ کہیں رک  
 گیا۔

"حیران کیوں رہ گئے۔ انپکٹر کا شان نے خود بھی حیران ہونے  
 ہوئے کہا۔

"اس لیے کہ ہمیں حیران ہونا ہی چاہیے تھا : آفتاب بول  
 اٹھا۔

"لیکن کیوں یہ بتائیے نا : کا شان نے کہا۔

"اس لیے کہ یہ اشتہار ہم نے شائع نہیں کرایا۔ ہمارے تو  
 فرشتوں کو بھی معلوم نہیں کہ یہ کس نے شائع کرایا ہے :  
 "اوہ : ان سب کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔  
 "گویا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وہ انگلی آپ نیلام نہیں  
 کر رہے : سر بہرام نے تھملا کر کہا۔

"نہیں جناب، بھلا ہم اسے کس طرح نیلام کر سکتے ہیں۔  
 وہ تو ہمارے پاس امانت ہے اور امانت میں خیانت کرنا مسلمان  
 کا کام نہیں : اشفاق جلدی سے بولا۔  
 "امانت ہے، لیکن کس کی؟" باہر نیاز نے منہ بنایا۔

"جس نے وہ انگلی پارسل کے ذریعے ہمیں بھیجی ہے :  
 بس اسی کی امانت ہے اور ہم دراصل اسی کی تلاش میں ہیں :  
 تاکہ اس سے یہ بھی تو معلوم کر سکیں کہ انگلی ہے کس کی اور  
 اس نے ہمیں کس لیے بھیجی؟ اخلاق نے کہا۔  
 "اس کا مطلب ہے، ہمارا وقت یوں ہی بہاؤ ہوا، سر بہرام

بولا۔

"اور کیا" اب آپ شام کے اور کل کے اخبارات میں اس  
 اشتہار کی تردید کریں اور ہم آپ پر کیس کر دیں گے : باہر نیاز  
 نے سخت جھجے میں کہا۔

"بہت بہتر جناب، تردید شائع ہو جائے گی۔ اب آپ تشریف



لے جاسکتے ہیں۔ میں نے بھی جھنا کر کہا، کیونکہ جو کچھ ہو رہا تھا،  
یا ہو رہا تھا، اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں تھا۔

آخر وہ سب رخصت ہوئے۔ ان کے جانے کے بعد انگل  
فارابی بولے:

”بھئی میں کم از کم میں وہ انگلی دیکھے بغیر تو جاؤں گا نہیں“  
”خود میں بھی دیکھنا چاہتا ہوں۔“ کا شان نے کہا۔

”مزدور مزدور، آفتاب جاؤ، اتنی جان سے وہ انگلی لے آؤ“  
میں نے فرش ہو کر کہا۔

”بہت اچھا۔“ اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”انگل، کیا ہم ان لوگوں سے یہ نہیں پوچھ سکتے کہ یہ لوگ  
انگلی کیوں خریدنا چاہتے ہیں؟“

”کیا فائدہ، ہر کوئی کہہ دے گا کہ اسے عجیب و غریب  
پہیزیں جمع کرنے کا شوق ہے۔ ویسے تم لوگوں کو چاہیے کہ اس  
انگلی کو فوراً پولیس سٹیشن میں جمع کرادو۔ ہو سکتا ہے، یہ پولیس  
کیس ہو۔“

”اب ہم بھی یہی سوچ رہے ہیں۔ کہیں ہمیں لینے کے  
دینے نہ پڑ جائیں۔“ حیران کن بات یہ ہے کہ مہر بہرام تو اس  
انگلی کے ایک لاکھ روپے دینے کے لیے تیار ہیں، جب کہ باہر نیاز  
نے صرف پندرہ ہزار روپے لگائے تھے۔“

”حیرت ہے، آخر یہ انگلی ہے کیا بلا؟“ انگل فارابی کے منہ  
سے نکلا۔

”جی بس انگلی ہی ہے۔“ اخلاق نے کہا۔

”اور۔“ کیا ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں آیا تھا  
انگلی حاصل کرنے؟“

”مستر ڈگو بھی آئے تھے۔ وہ صرف فٹڈ گر دی کر کے انگلی  
حاصل کرنے کے چکر میں تھے، اب نیلامی میں بھی آئے تھے۔“ میں  
نے بتایا۔

”گویا کل صرف تین آدمی آئے تھے۔ جب کہ نیلامی میں کچھ  
اور لوگ بھی شامل ہو گئے تھے۔ معاملہ کافی ابھا ہوا ہے۔“  
کا شان بڑبڑایا۔

”بہر حال ہم تو اس معاملے سے اپنی جان چھڑا رہے ہیں۔  
ابھی آپ کے حوالے کر دیں گے۔“

”میرے حوالے نہیں، متعلقہ تھانے کے حوالے۔ اور آج  
کل تم لوگوں کے علاقے کے تھانے کا اپنا راج بھالی نو رہے۔“  
کا شان کی مسکراہٹ بھر پور تھی۔

”اے باپ رے۔“ تب تو یہ انگلی ہم اپنے وکیل  
اکبر راٹھور صاحب کے ذریعے ہی اسے بھیجیں گے۔ ہمارے تو وہ  
کان کھا جائیں گے۔“ میں نے فیصلہ کن ہنسنے میں کہا۔



”ہاں، تم لوگ ایسا بھی کر سکتے ہو۔ ابھی شاید اسے انگلی

کے بارے میں ....“

ابھی کا شان کے الفاظ درمیان میں ہی تھے کہ دروازے پر پریس جیپ آکر رکی۔ اور اس میں سے ہم نے ہلالی نور کو اترتے دیکھا۔

”یا اللہ رحم۔“ اشفاق کے منہ سے نکلا۔

”نکر نہ کرو، یہاں پہلے ہی انگل فارانی اور گل کا شان موجود ہیں۔“ میں نے مسکرا کر کہا۔

دروازے پر پہنچ کر اس نے ایک حیرت بھری نظر اندر ڈالی۔ انگل فارانی اور کا شان کو دیکھ کر جلدی جلدی پلکیں چپکائیں اور پھر قدم اندر رکھتے ہوئے بولا:

”میں نے سنا ہے، تمہیں کوئی انسانی انگلی ملی ہے۔“

”اس میں کوئی شک نہیں۔“

”تم اسے پیچنے یا بنیام کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتے۔“

وہ انگلی میرے حوالے کر دو۔“

”ہم ابھی ابھی اسی فیصلے پر پہنچے ہیں۔ یوں بھی نیلامی

کا یہ اشتہار ہم نے شائع نہیں کرایا۔“

”یہ ٹھیک ہے انسپکٹر صاحب، اسی سلسلے میں انہوں نے

مجھے یہاں بلایا تھا، تاکہ بولی دینے کے لیے آنے والوں سے

نجات دلا سکوں۔“

”خیر ٹھیک ہے۔ انگلی کہاں ہے؟“

”آفتاب انگلی سینے کے لیے ہی گیا ہے۔“

”کل جو تم نے اشتہار دیا تھا، وہ بھی میں نے آج ہی

پڑھا ہے۔ کل میں اس قدر مصروف رہا کہ اخبار نہیں دیکھ سکا۔

کیا اس اشتہار کے جواب میں کچھ لوگ انگلی حاصل کرنے آئے تھے؟“

”جی ہاں، بالکل آئے تھے۔ وہ آج بھی آئے تھے، تاکہ

بولی دے سکیں، لیکن ہماری وضاحت کے بعد واپس چلے گئے۔“

”میں ان کے نام جاننا چاہتا ہوں، تاکہ ان سے پوچھ گچھ

کی جائے۔ میں اس معاملے میں جرم کی بو محسوس کر رہا ہوں۔

کسی انسان کے ہاتھ سے انگلی کاٹی گئی ہے۔ جس کی انگلی کاٹی

گئی، اس نے رپورٹ درج کیوں نہیں کرائی؟“

”ہو سکتا ہے، رپورٹ شہر کے کسی اور حصے میں درج کرائی

گئی ہو۔“ انگل فارانی نے خیال قائم کیا۔

”میں یہ معلوم کرنے کی بھی پوری پوری کوشش کروں گا۔“

آپ لوگ فکر نہ کریں۔“

”جہاں ہمیں فکر کی کیا ضرورت۔ ویسے آپ کی اطلاع کے



یہ عرض کر دیں کہ سر بہرام جیسے لوگ تک اس انگلی میں دھپسی لے رہے ہیں۔ انہوں نے ایک لاکھ روپے کی پیش کش کی تھی، لیکن ہم نے صرف اس لیے نہیں دی کہ وہ کسی کی امانت ہے۔ ایک اور صاحب بابر نیاز پنڈرہ ہزار روپے دینے کے لیے تیار ہیں۔ ایک غنڈہ صورت آدمی ڈگو بھی انگلی حاصل کرنے کے چکر میں ہے۔ میں نے جلدی جلدی کہا۔

”کیا کہا، ڈگو؟“ جلالی نور نے حیران ہو کر کہا۔

”مال کیوں، آپ اسے جانتے ہیں؟“ میں نے بھی حیران ہو کر کہا۔

”بہت اچھی طرح۔ اس لیے میں سب سے پہلے اسی سے ملوں گا۔ وہ بہت خطرناک آدمی ہے۔ میں حیران ہوں کہ اس انگلی سے اسے کیا دھپسی ہے۔“

”اور آپ کو سر بہرام اور بابر نیاز پر حیرت نہیں ہے۔“

”نہیں، کیونکہ ایسے لوگ عجیب و غریب چیزیں خریدنے کے شائق ہوتے ہیں۔“ اس نے کہا۔

اسی وقت قدموں کی آواز سنائی دی اور آفتاب دفتر میں داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر ہوا میاں اڑ رہی تھیں۔ ہم بوکھلا اٹھے۔

”آفتاب، کیا بات ہے، خیر تو ہے؟“

”جی جی، وہ بات دراصل یہ ہے کہ خیریت نہیں ہے۔“

”کیا مطلب، خیریت نہیں ہے۔ ابو امی تو ٹھیک ہیں؟“

”ہاں، دونوں بالکل ٹھیک ہیں، بس انگلی غائب ہے۔“ اس نے سر مری انداز میں کہا۔

”کیا؟“ ہم ایک ساتھ اچھلے۔ سب سے زیادہ انجمن جلالی نور کی آنکھوں میں نظر آئی۔

سے آگے بڑھ کر کہا۔

”جی ہاں، یہ میری زیورات کی الماری ہے۔ اس کا تالا بھی کافی مضبوط ہے، لیکن اس کے باوجود انگلی غائب ہے۔ ابھی جب آفتاب نے آکر کہا کہ انگلی نکال دوں تو میں نے اپنی چابی سے تالا کھولا، گویا پورے بھی تالا توڑنے کی کوشش نہیں کی تھی چابی سے کھولا تھا اور پھر تالا لگا کر ہی گیا۔“

”اس کے پاس ضرور چابیوں کا گچھا رہا ہوگا، لیکن سوال تو یہ ہے کہ وہ گھر میں داخل کس طرح ہوا۔ کیا رات آپ لوگوں نے بیرونی دروازہ اندر سے بند نہیں کیا تھا۔ گھر کے دوسرے دروازے اور کھڑکیاں بند نہیں کی تھیں؟“

”بالکل، کیوں نہیں، سبھی دروازے بند کیے تھے اور اس کا مطلب ہے چور چھت کے راستے آیا تھا۔ بائیں طرف والی دیوار کے ساتھ پانی کا پائپ اوپر تک چلا گیا ہے۔ چور ضرور اس پائپ کے ذریعہ چھت تک پہنچا ہوگا۔“

”اوہ، آئیے پہلے چھت کا جائزہ لے لیں۔ الماری کو ماتھے نہ لگائیں۔ شاید چور کی انگلیوں کے نشانات موجود ہوں۔“

چھت کے معائنے سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ چور اسی طرف سے آیا ہوگا۔ جلالی نور نے فون کر کے اپنے محلے کو بلا دیا۔ اس کے بعد انگلیوں کے نشانات اٹھائے گئے۔ آخر سب لوگ

## ہیلو دوستو

پہنچد لمحے سکتے کے عالم میں گزر گئے۔ آخر ہم ایک دم اٹھے اور اندر کی طرف بڑھے۔ میں نے جلالی نور اور سب انسپکٹر کا شان کو بھی اندر چلنے کا اشارہ کیا۔ تیز تیز قدم اٹھاتے ہم اندرونی کمرے میں پہنچے۔ ہم نے انگلی امی جان کے حوالے کی تھی۔ امی جان اس وقت اپنی زیورات والی الماری کے سامنے کھڑی تھیں۔ ابا جان ان سے ایک قدم پیچھے تھے۔ دونوں الماری کو اس طرح گھور رہے تھے، جیسے انگلی اس الماری نے ہی تو چرائی تھی اور اسے سزا دلانے بغیر نہیں مانیں گے۔ قدموں کی آواز سن کر مڑے۔ ابا جان کے منہ سے نکلا:

”السلام علیکم“

”وعلیکم السلام۔“ باقی لوگوں کے ساتھ ہم چاروں بھی بولے

”اٹھے۔“ تو انگلی اس الماری میں رکھی گئی تھی۔ جلالی نور نے سب



رخصت ہو گئے۔ ہم تھکے تھکے انداز میں اٹھے اور دفتر کی طرف چل پڑے۔

”سنو شوکی“ میں تم سے ایک بات کہنا چاہتی ہوں۔“ اچانک ہم نے اُمّی جان کی آواز سنی۔

”جی فرمائیے۔“ ہم ایک ساتھ مڑے۔ حلال کہ آواز صرف مجھے دی گئی تھی۔

”میں کہنا یہ چاہتی ہوں کہ تم بالکل نکلے ہو، کسی کام کے نہیں۔ تم میں عقل نام کی چیز نہیں۔“ وہ جذباتی آواز میں کہتی چلی گئیں۔

”ارے ارے، اُمّی جان۔ اگر سارے خطابات آج ہی آپ نے دے ڈالے تو آج کے بعد کیا کریں گی؟“ آفتاب بوکھلا اٹھا۔

”غاموش“ تم نے ایک لاکھ روپے کی رقم گنوا دی۔ اب ترسو۔ تمہیں چاہیے تھا، انگلی سر بہرام کے حوالے کر دیتے۔ اب وہ چور بھی کرے گا۔“

”جی، کیا مطلب؟“ ہم چونکے۔

”چور سر بہرام کو فون کر کے بتانے لگا کہ انگلی اب اس کے پاس ہے۔ بتائیے، انگلی کا کیا دیتے ہیں۔ ہو سکتا ہے، وہ ان سے ایک لاکھ سے بھی زائد اینٹ لے، شاید دو لاکھ، بلکہ تین لاکھ یا پھر اس سے بھی زیادہ۔“ وہ حسرت زدہ انداز میں کہتی

چلی گئیں۔

”اُمّی جان، اُمّی جان، ذرا سوچو۔ ہم اس انگلی کو کسی طرح بھی فروخت کرنے کے اہل نہیں تھے۔ پولیس کے حوالے کرنے کی ٹھان چکے تھے، لیکن اس سے پہلے ہی چور انگلی لے اڑا۔ لیکن آپ فکر نہ کریں۔ جس کسی نے بھی انگلی چرائی ہے، ہم اس کا سراغ لگا کر رہیں گے اور اسے قانون کے حوالے کر کے رہیں گے۔ جب تک ہم یہ معلوم نہ کریں کہ انگلی کا راز کیا ہے، اس وقت تک سکون کا سانس نہیں لیں گے۔“ میں جذباتی انداز میں کہہ گیا۔

”کیا فائدہ؟“ انہوں نے منہ بنایا اور اپنے کمرے کی طرف مڑ گئیں۔ اُمّی جان غاموشی سے یہ گفت گو سنتے رہے تھے۔ انہیں اس طرح مڑتے دیکھ کر مسکرائے بغیر نہ رہ سکے اور ہم دفتر میں آگئے۔ انگلی کی چوری کا افسوس ہمیں بھی تھا، لیکن کر ہی کیا سکتے تھے۔ ٹھیک پانچ بجے ہم ارشد کو دفتر میں پھوڑ کر باہر نکلے۔ ایک ٹیکسی میں بیٹھے اور فاضل بیگ کے گھر پہنچے۔ دستک کے جواب میں دروازہ فوراً کھلا۔

”جی فرمائیے، ادھر؟“ آپ لوگ ہیں۔ فاضل بیگ بولا۔

”ہم آپ سے چند باتیں کرنے کے یہ حاضر ہوئے ہیں۔“ میں نے مہموری لہجے میں کہا۔



آئیے تشریف لائیے اس نے راستہ دیتے ہوئے کہا۔

”آپ کہاں کام کرتے ہیں؟“

”میں ایک گھر میں ملازم ہوں۔ کھانا پکانے کا، ہر ہون۔ وہاں بطور خاناں کام کرتا ہوں۔“ اس نے بتایا۔

”کس گھر میں، گھر کے مالک کا نام نہیں بتائیں گے آپ؟“ اشفاق نے اس کی طرف بغور دیکھا۔

”جی ہاں، کیوں نہیں، میں خان تنویر کے ہاں ملازم ہوں۔ وہ ایک بہت دولت مند آدمی ہیں۔“ اس نے کہا۔

”ان کا پتا؟ میں نے جلدی سے کہا۔“

”۹ گلاب سٹریٹ، روشن روڈ۔“ اس نے کہا۔

”ہم اب تک حیران ہیں۔ اس پارسل پر آپ کا نام کیوں لکھا ہوا تھا۔ ہمارا خیال ہے، اس انگلی سے آپ کا ضرور کوئی نہ کوئی تعلق ہے۔“

”لیکن میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میرا اس انگلی سے کوئی تعلق نہیں اور وہ میں نے آپ کو ہرگز نہیں بھیجی تھی۔“ اس نے جلدی سے کہا۔

”اچھا خیر، بہت بہت شکریہ۔“ یہ کہہ کر ہم اٹھ کھڑے ہوئے چلتے چلتے آفتاب نے کہا۔

”تو آپ کو انگلی کے بارے میں بالکل کچھ معلوم نہیں؟“

”جی نہیں، بالکل نہیں۔“ اس نے گردن کو ہٹکا دیا اور ہم

باہر نکل آئے۔

خان تنویر کی کوٹھی تلاش کرنے میں کوئی وقت نہیں ہوئی۔

وہ مشہور آدمی تھا۔ گھنٹی بجانے کے ایک منٹ بعد دروازہ کھلا

اور ایک نوجوان عورت کی صورت دکھائی دی۔ آنکھوں پر عینک

تھی اور ہاتھوں میں کوئی کتاب۔ ہم نے دیکھا، وہ کوئی جاسوسی

ناول تھا۔ ناول کے درمیان میں اس نے انگلی دے رکھی تھی:

گویا ناول پڑھتے پڑھتے اٹھ کر آئی تھی۔

”معاف کیجیے گا، ہم نے آپ کو زحمت دی۔ شاید اس وقت

کوئی ملازم موجود نہیں گھر میں۔“

”ہاں، خاناں کو اس وقت پھٹی ہوتی ہے۔ سات بجے

پھر آجائے گا۔ دوسرا ملازم ان دنوں بیمار ہے۔“ اس نے خوش

گوارہ آواز میں کہا

”ہمیں خان تنویر صاحب سے ملنا ہے۔“

”وہ تو اس وقت گھر میں نہیں ہیں۔ لیکن آنے والے ہیں۔“

آپ انتظار کرنا چاہیں تو تشریف لاسکتے ہیں۔“

”شکریہ، ہم کچھ دیر کے لیے تو انتظار کر ہی سکتے ہیں۔“

مسکرا دیا۔

وہ ہمیں ڈرائنگ روم میں لے آئی۔ ڈرائنگ روم بہت چلتے



سے سجا ہوا تھا۔

"آپ بیگم خان تنویر ہیں؟" آفتاب نے سوالیہ لہجے میں کہا۔  
 "جی ہاں، اور آپ لوگوں کی تعریف؟" اس نے مسکرا کر پوچھا۔  
 اب نادل اس نے میز پر اٹ کر رکھ دیا تھا۔ ہم نے دیکھا نادل  
 کا نام محل کا راز تھا۔

"مجھے شوکی کہتے ہیں۔ یہ میرے بھائی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے  
 آپ جاسوسی نادلوں کی بہت شوقین ہیں۔"  
 "آپ کا اندازہ بالکل درست ہے۔ آپ کا نام کچھ جانا پہچانا  
 سا لگتا ہے؟" اس کے لہجے میں الجھن تھی۔  
 "آپ ہمارے بارے میں اخبارات میں پڑھتی رہی ہوں گی،  
 شوکی اینڈ کو۔" میں نے کہا۔

"آدھو، تو آپ لوگ ہیں۔ اُن، آپ سے مل کر کس قدر  
 خوشی محسوس ہوئی ہے۔ میں تو آپ کے کارنامے بہت شوق سے  
 پڑھتی ہوں۔"

"شکریہ، مسٹر خان تنویر کیا کام کرتے ہیں۔"

"زمیندار ہیں، بہت زمینیں ہیں ان کی۔"

عین اسی وقت کار کے ہارن کی آواز سنائی دی۔ وہ چونک  
 اٹھی اور اٹھتے ہوئے بولی:

"بیجی، وہ آگئے۔ آپ لوگ تشریف رکھیے۔ میں انہیں لے

کر آتی ہوں۔" یہ کہہ کر وہ باہر نکل گئی۔

جلد ہی قدموں کی آواز ابھری۔ آنے والے ایک سے زائد  
 تھے، ہم نے دیکھا، ایک لمبے ترنچے خوش شکل آدمی کے ساتھ دوگو  
 چلا آ رہا تھا۔ بیگم خان تنویر ان دونوں کے پیچھے تھی۔



دوگو ہمیں دیکھ کر ٹھٹھا۔ اس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔  
 اس کی حیرت خان تنویر سے چھپی نہ رہ سکی۔ حیران ہو کر بولا:  
 "کیا بات ہے دوگو، تم ان لوگوں کو جانتے ہو۔"  
 "جی ہاں جناب عالی، یہ شوکی اینڈ برادرز ہیں۔"

"مسٹر دوگو، تم نے خان تنویر صاحب کو یہ نہیں بتایا کہ ہمیں  
 کس سلسلے میں جانتے ہو؟"

"خان صاحب کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں۔ اس  
 نے منہ بنا کر کہا۔"

"کس معاملے سے بھئی یہ کیا چکر ہے؟" خان تنویر حیران  
 ہو کر بولا۔

"تھا ایک معاملہ جناب عالی۔ آپ اپنے ذہن کو تازہ رکھائیں۔  
 دوگو جلدی سے بولا۔"



"ذہن تو اب ابھ گیا، جلدی بتاؤ، کیا بات ہے؟" خان تنویر نے ڈگو کو گھورا۔

"میں بتاتا ہوں جناب، یہ بے چارہ کیا بتائے گا۔" یہ کہہ کر میں نے جلدی جلدی ساری کہانی سنا دی۔ آخر میں بولا:

"اور اب انگلی غائب ہے۔"

"کیوں ڈگو، تمہارا اس انگلی سے کیا تعلق ہے؟" خان تنویر نے سخت لہجے میں کہا۔ بیگم تنویر بھی اس کہانی کو حد درجے دلچسپی سے سنتی رہی تھی۔

"کچھ بھی نہیں جناب عالی، میں نے سوچا تھا، شاید میں اس انگلی کے ذریعے کچھ پیسے کما سکوں۔" ڈگو نے مجھے دیکھ لہجے میں کہا۔ "دیکھو ڈگو، یہ ٹھیک ہے کہ پہلے تم غڈہ گردی کرتے رہے ہو، لیکن اپنی زمینوں کی نگرانی کے لیے تمہیں لازم رکھتے وقت میں نے تم سے عہد لیا تھا کہ اب تم کوئی غلط کام نہیں کرو گے، لیکن میرا اندازہ ہے کہ تم اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے اور ادھر ادھر ماتہ مارنے کی کوشش کرتے رہتے ہو۔ کیوں یہ ٹھیک ہے تا۔"

"نہیں جناب، میں اب کوئی غلط کام نہیں کرتا۔ اس انگلی کو میں نے ضرور حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ بھی اس لیے کہ میں دیکھنا چاہتا تھا، وہ انگلی ہے کیا بلا؟"

"خیر، آئندہ احتیاط کرنا۔ اگر پھر کوئی ایسی بات ہوئی تو ملازمت سے نکال دوں گا۔"

"بہت بہتر جناب، میں سمجھ گیا۔ اس نے کہا اور خان تنویر ہماری طرف مڑے:

"سوال یہ ہے کہ آپ یہاں کس لیے تشریف لائے؟"

"بہیں انگلی والا جو پارسل ملا، اس پر جیسے دلے کا نام بھی لکھا تھا اور اس نام کا آدمی آپ کے ہاں ملازم ہے، یعنی فاضل بیگ۔ ان حالات میں ہم یہاں نہ آتے تو کیا کرتے؟"

"ہوں، بات تو ٹھیک ہے۔ میرے لیے اس سے بڑھ کر حیرت کی بات اور کیا ہوگی کہ پارسل پر میرے خاندان کا نام لکھا ہوا تھا۔ مہربانی فرما کر آپ اسی سے معلوم کیجیے۔"

"وہ اس بات سے انکاری ہے کہ اس نے ہمیں کوئی پارسل بھیجا ہے۔"

"پھر آپ ہی بتائیے، میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟" خان تنویر نے اکتا کر کہا۔

"جی کچھ نہیں۔ بس ہم چلتے ہیں۔" میں نے کہا۔

"بیگم، تم ان لوگوں کو دروازے تک رخصت کر آؤ۔ مجھے

ڈگو کو زمینوں کے بارے میں کچھ ضروری ہدایات دینا ہیں۔"

"جی اچھا۔" اس کے ان الفاظ کے ساتھ ہی خان تنویر اور ڈگو



نکل گئے۔

"چلیے محترمہ! ہمیں دروازے تک چھوڑ آئیے۔"  
"اے! لیکن — لیکن میں تو آپ لوگوں سے کچھ باتیں کرنا  
چاہتی ہوں۔ اس نے ہچکچا کر کہا۔

"ضرور کیجیے، سبلا ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"  
"تو پھر آئیے، میرے کمرے میں — وہیں چل کر باتیں ہوں  
گی۔"

"ہم اس کے ساتھ اس کے کمرے میں داخل ہوئے۔ یہاں  
تین الماریاں ناولوں سے بھری ہوئی تھیں۔  
"معلوم ہوتا ہے، آپ کو جاسوسی ناولوں کا شوق جنون کی حد  
تک ہے۔"

"جی ہاں! یہی سمجھ لیں۔"

اس کے بعد اس نے ہم سے سوالات شروع کیے۔ سوالات  
کچھ اس تیزی سے شروع ہوئے کہ ہم سنبھل بھی نہ سکے۔ پہلا  
سوال یہ تھا۔

"آپ مجرم کا سراغ کس طرح لگا لیتے ہیں؟"

سبلا ہم اس قسم کے سوالوں کا کیا جواب دیتے۔ یہ بات تو  
خود ہمیں بھی معلوم نہیں تھی کہ ہم ایک مجرم کا سراغ کس طرح لگا  
لیتے ہیں۔ بے خیالی میں میں کتابوں کی ایک الماری کی طرف بڑھ

گیا اور اس میں سے چند ناول نکال کر دیکھے۔ یہ سب کے سب  
جاسوسی تھے۔ ایک ناول کے حاشیے پر بہت سے الفاظ بھی  
لکھے نظر آئے۔ ناول پر یہ الفاظ بھی لکھے تھے، میری زندگی کا  
بہترین ناول۔

"کیا یہ ناول ہم بھی لے سکتے ہیں پڑھنے کے لیے؟ ایک  
دو دن تک ٹوٹا دیں گے۔"

"ضرور کیوں نہیں۔" اس نے خوش دلی سے کہا۔ وہ ہمیں  
ایک ننھی سی پیچی محسوس ہوئی، بالکل ننھی سی — حالانکہ وہ شادی  
شدہ لڑکی تھی۔ آخر ہم اس سے رخصت ہوئے۔  
"یہ ناول لانے کی کیا ضرورت تھی۔ اب واپس دینے کے  
لیے پھر آنا پڑے گا۔" اشفاق نے جل کر کہا۔

"عقل کے ناخن نو۔" میں ناول بلا وجہ نہیں لایا۔ اس کے  
حاشیوں پر جگہ جگہ نوٹس لکھے ہیں۔ مجھے پارسل پر لکھا ہوا پتا  
زمانہ طرز تحریر میں محسوس ہوا تھا۔ نہ جانے کیوں مجھے خیال آگیا  
کہ کہیں وہ پتا مسٹر خان تنویر نے تو نہیں لکھا۔ پس تحریر ملانے  
کے لیے یہ ناول اٹھا لایا۔ ٹھہر، پتے ہم یہی کام کر لیں۔ میں  
نے جلدی جلدی کہا۔ جیب سے پارسل والا کا نقد نکالا اور دونوں  
تحریروں کو پاس پاس رکھ کر بند دیکھا۔

دوسرا لمحہ حیران کن تھا۔ دونوں تحریریں میں بال برابر

فرق نہیں تھا۔ دونوں بالکل ایک ہاتھ کی تھیں اور اس سے یہ بات ثابت ہوتی تھی کہ انگلی والا پارسل خان تنزیر کی بیوی نے بھیجا تھا اور بھیجنے والے کا نام فاضل بیگ لکھ دیا تھا۔ فاضل بیگ اس گھر کا ملازم تھا۔ اس کا پتا بھی ان لوگوں کے پاس موجود ہوگا۔ لہذا اس کا پتا لکھا جانا اب اجنبی کی بات نہیں رہ گئی تھی۔ انگلی کے سلسلے میں ہم ایک عدد کام کی بات معلوم کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے اور یہ ایک بڑی کامیابی تھی۔ ابھی ہم نے ٹیکسی کے لیے نظریں ادھر ادھر دوڑانی ہی تھیں کہ ڈوگو کی آواز سنائی دی۔

”ہیلو دوستو، یہاں کیوں کھڑے ہو؟“

”ہم نے نظریں اٹھا کر دیکھا، وہ جیب پر موجود تھا۔ چہرے پر ایک شریر مسکراہٹ تھی۔“

## روشن دان

”گھر جانے کا ارادہ ہے۔ ٹیکسی کے انتظار میں کھڑے

ہیں۔ میں نے منہ بنایا۔“

”بڑی بات ہے، جیب کے ہوتے ہوئے ٹیکسی کی کیا ضرورت

ہے۔ آؤ بیٹھ جاؤ، ابھی پہنچا دیتا ہوں۔“ اس نے مسکرا کر کہا۔

”شکریہ، ہم چلے جائیں گے۔ آپ جالیے،“ اشفاق بولا۔

”اس میں شکریہ کی کیا ضرورت ہے۔ یہ تو میرا فرض ہے۔

بلا وجہ ٹیکسی کا بل ادا کرتے پھر دے گے۔ میں بھی ادھر ہی جا رہا

ہوں۔“ اس نے دوستانہ لہجہ اختیار کیا۔

”چلو بھئی بیٹھ جاتے ہیں۔ کسی کا دل توڑنا اچھی بات نہیں۔“

آخر میں نے ہتھیار ڈال دیے۔ خیال یہ آیا تھا کہ ٹیکسی کا بل

دینے سے بچیں گے۔

اشفاق، اشفاق اور آفتاب نے مجھے گھور کر دیکھا، جیسے کہ

رہے ہوں۔“



”بھائی جان، آپ کا دماغ تو نہیں چل گیا۔ اس کیس میں ہمیں اگر کسی سے خوف محسوس ہوا ہے یا جس کی صورت نے ہمارے کانوں میں خطرے کی گھنٹیاں بجائی ہیں، وہ یہی شخص ہے اور آپ اس کے ساتھ جیپ میں بیٹھ رہے ہیں۔“

لیکن انہوں نے منہ سے کچھ نہ کہا اور ہم جیپ کے پچھلے حصے میں بیٹھ گئے۔ جیپ فوراً ہی چل پڑی۔

”وہ انگلی کہاں ہے؟“ ڈوگو نے نرم آواز میں کہا۔

”ہمارے ہاں سے چوری ہو گئی ہے۔ اب معلوم نہیں کہاں ہے۔“ میں نے کندھے اچکائے۔

”تم لوگوں نے اب تک اس کے بارے میں کیا معلوم کیا ہے یا کیا اندازے لگائے ہیں۔“ اس نے پوچھا۔

”کچھ بھی نہیں۔ ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ وہ ایک انسانی ہاتھ پر سے کاٹی گئی انگلی ہے، کوئی نقلی انگلی نہیں ہے۔ وہ ہمیں پارسل کی صورت میں کسی شخص نے بھیجی تھی، لیکن پھر شاید کسی اور نے ہمارے ہاں سے چرائی۔“

”یہ باتیں تو سبھی جانتے ہیں۔ ڈوگو نے بھنا کر کہا۔“

”تو پھر آپ کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں؟“

”یہ کہ انگلی آپ کو کس نے بھیجی تھی؟“ وہ بولا۔

”پارسل پر بیٹھنے والے کا نام فاضل بیگ لکھا تھا، لیکن

فاضل بیگ کا کہنا ہے کہ اس نے انگلی ہرگز نہیں بھیجی۔“

”یہ بات بھی سب کو معلوم ہے۔ میں تو یہ جاننا چاہتا ہوں کہ درحقیقت کس نے انگلی بھیجی تھی؟“

”اب ہم اس کیس پر زور شدہ سے کام کر رہے ہیں۔ اشتباہات بہت جلد سب کچھ معلوم کر لیں گے، آپ فکر نہ کریں، آپ کو بھی ہر بات بتا دیں گے۔“

”اچھا خیر، یہ بتاؤ اب انگلی کس کے پاس ہے؟“

”میرے خیال کے مطابق تو اب وہ چور کے پاس ہے۔“ آفتاب نے جلدی سے کہا۔

”ہر بات کا گھڑا گھڑایا جواب تم لوگوں کے پاس تیار ہے اس نے تمہارا کر کہا۔“

”لیکن جناب، جو صاحب، آفر آپ اس انگلی کے اندیشے میں کیوں دبے ہو رہے ہو۔ مگر، نہیں۔ شاید میں جلد غلط بول گیا۔ آپ کم از کم قاضی تو نہیں ہو سکتے۔ آفتاب نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔“

”کیا تجھ اس ہے۔ میں نہیں سمجھا، تم کیا کہنا چاہتے ہو۔“ اس نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں کہا۔

”اس کے ساتھ بس ایک ہی مصیبت ہے۔ اس کی کوئی بات چیت ہی نہیں پڑتی۔ خیر آپ غم نہ کریں۔ ہم تینوں کی ہر



بات آپ کی سمجھ میں ضرور آئے گی۔" اشفاق فوراً بولا۔

"انگلی اگر تمہارے پاس ہے اور تم نے پوری کا ڈھونگ رکھایا ہے تو میں تمہیں اس کے پچیس ہزار روپے تک دے سکتا ہوں اور بس۔ یہ آخری پیش کش ہے۔ کسی کو کانوں کا خبر بھی نہیں ہوگی کہ تم لوگوں نے انگلی میرے ہاتھ فروخت کر دی ہے۔ کیونکہ پولیس جانتی ہے، انگلی تمہارے گھر سے چرائی گئی ہے۔" اس نے باز دارانہ ہجے میں کہا۔

"اور حقیقت بھی یہی ہے۔ اسے واقعی چرایا گیا ہے لہذا ہم آپ کے ہاتھ فروخت نہیں کر سکتے، اور پھر آپ ہیں کس ہوا میں۔ سہ ہرام تو ہمیں ایک لاکھ روپے تک دے رہے تھے۔" "دے رہے ہوں گے۔ وہ تو دو لاکھ بھی دے سکتے ہیں۔" دولت مند آدمی ہیں۔ میرے پاس اتنی دولت کہاں؟

"ہم حیران ہیں، آپ کو انگلی کی ایسی کیا ضرورت پڑ گئی۔" آپ کی اپنی تو بالکل پوری انگلیاں ہیں۔ آفتاب نے نئی کمی۔ پھر وہی، اب تمہارا اس بات سے کیا مطلب؟" اس نے دانت پیسے۔

"آئندہ میں اردو کی ڈکشنری ساتھ رکھا کروں گا، تاکہ اپنے ہر جملے کا مطلب سمجھا سکوں۔" آفتاب نے بالواسانہ ہجے میں کہا اور پھر چونک اٹھا۔

"ارے، یہ ہم کس طرف نکل آئے۔"

اشفاق، افلاق اور میں نے بھی چونک کر دیکھا۔ باتوں میں ہم نے دھیان ہی نہیں دیا تھا۔ اب جیب ایک سنسان سڑک پر دوڑ رہی تھی۔

"اس سڑک کو شمالی سڑک کہتے ہیں۔ اس سڑک سے اگر ہم آگے چل کر بائیں طرف مڑ جائیں تو خان تنویر کی زمینوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اس سلسلے کے شروع میں ہی انہوں نے زمینوں کے ٹکڑوں کے لیے ایک خوب صورت سامکان بنا رکھا ہے۔ شاید تم یہ جان کر اور بھی خوش ہو گے کہ ان دنوں ان کی زمینوں کا ٹکڑا بیس ہوں۔"

اس کے ہجے میں نہ جانے کیا بات تھی کہ ہمارے رونگٹے یک دم کھڑے ہو گئے۔ ہم نے چاما، پوری قوت سے چھینا شروع کر دیں، لیکن آبادی سے تو ہم بہت دور نکل آئے تھے۔ اب ہمارے چلانے کی آواز بھلا کس کے کانوں میں پہنچتی لہذا چھیننے کی بجائے مہر کے گھونٹ پی کر رہ گئے۔

رنگ فاق پڑ چکے تھے اور حال بالکل وہ تھا گویا کٹو تو بدین میں ہو نہیں۔ اسی وقت جیب موڑ ٹرگئی اور پھر پانچ منٹ کے سفر کے بعد ایک مکان کے سامنے رک گئی۔ ہم نے لوگو کی آواز سنی۔



”مجھے بگو کہنے کا مزا چکنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ چلو نیچے اترو۔

مہمان خانہ آگیا ہے۔“

ہم تھر تھر کانپتی ٹانگوں کے ساتھ نیچے اترے تو وہ ہم سے پہلے ہی نیچے کھڑا نظر آیا۔ اب اس کے ہاتھ میں ایک لمبا چاقو تھا۔ اس لیے چاقو نے ہماری دہی سہی جان نکال دی۔

”دو، دیکھیے جناب، ہم لوگ شریف آدمی ہیں۔ چاقو کی زبان نہیں بکھڑے۔ اسے جیب میں رکھ لیجیے اور منہ سے بات کیجیے۔“

اشفاق نے تھر تھر کانپتی آواز میں کہا۔  
”اش۔ فاق۔ یہ تمہاری آواز بھیک کیوں مہ، مانگ رہی ہے۔ ہمت سے، لک، کام لو۔“ آفتاب نے اسے گھورا۔  
”اور تمہارا اپنی آواز کے بارے میں کیا خیال ہے؟“ اشفاق مسکرایا۔ وہ ہیرت انگیز طور پر پرسکون نظر آ رہا تھا؛ حالانکہ ہم میں سب سے زیادہ ڈرپوک وہی تھا۔

”چلو چلو، باتیں اندر چل کر کر لیں۔“ ڈوگو نے چاقو والا ہاتھ لہرایا۔ اور ہم نے جلدی سے مکان کی طرف قدم بڑھا دیے۔ دروازے پر تالا لگا تھا۔ ڈوگو نے بائیں ہاتھ سے چابیوں کا گچھا نکال کر میری طرف بڑھایا اور بولا:

”کم از کم تم میں تالا کھولنے کی ہمت تو ہوگی ہی۔“  
”لک، کو، لک، کوشش کرتا ہوں۔“ میں ہلکایا، پھر ایک

قدم آگے بڑھ کر ایک چابی تالے کے سوراخ میں داخل کرنے کی کوشش کی۔ لیکن چابی ادھر ادھر نکلتی رہی۔

”یہ کیا کر رہے ہو تم؟“ ڈوگو نے جھٹکا کر کہا۔

”پپ، پتا نہیں، کیسی چابی ہے، سوراخ میں داخل ہونے کی بجائے ادھر ادھر نکل جاتی ہے۔“ میں نے گڑبڑا کر جواب دیا۔

”ناچ نہ جانے آگن ٹیڑھا، شاید ایسے ہی موتوں کے لیے لکھا گیا ہے۔“ لائے بھائی جان، میں دیکھتا ہوں۔“ اشفاق نے آگے بڑھ کر چابیاں میرے ہاتھ سے لے لیں اور پھر باری باری چابی لگانے لگا۔ آخر تالا کھل گیا اور ہم اندر داخل ہوئے۔

”بائیں ہاتھ ٹرٹا ہے۔“ پیچھے سے ڈوگو نے کہا۔ ہم بائیں طرف مڑ گئے اور کمر بھی کیا سکتے تھے۔

سامنے ایک کمرے کا دروازہ نظر آیا۔ اس پر کوئی تالا نہیں لگا تھا۔

”ٹھیک ہے، اس کمرے میں داخل ہو جاؤ۔“ اس نے حکم دیا۔ ہم چار دنا چار کمرے میں داخل ہو گئے۔

”سامنے والی دیوار تک بڑھتے چلے جاؤ اور پھر میری طرف مڑو۔“ اس نے ایک اور حکم دیا۔ ہم نے بائیں چوں دھرا قبیل کی اور دیوار تک پہنچ کر اس کی طرف گھومے۔ ساتھ ہی ہم نے کمرے کا دروازہ بند ہونے کی آواز سنی۔ ہم دروازے کی طرف دوڑے۔



اور ہینٹل پر چاروں کے ماتھے ایک ساتھ پڑے۔ کھینچ کر دیکھا، لیکن دروازہ تو باہر سے بند کر دیا گیا تھا۔

”مسٹر ڈگو، یہ کیا ہے۔ میں نے رونی صورت بنا کر کہا۔

”اب جب تک تم یہ نہیں بتاؤ گے کہ انگلی کہاں ہے، میں نہیں اس کمرے سے باہر نہیں نکالوں گا۔“ باہر سے جواب ملا۔

”لیکن ڈگو صاحب، ہمارے تو فرشتوں کو بھی معلوم نہیں کہ انہی سے معلوم کر کے آپ کو بتا دیں۔“ آفتاب نے ڈوبتے دل سے کہا۔

”سوچ لو، سمجھ لو۔ اس مکان میں اگر تم بھوکے پیاسے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گئے تو بھی کسی کو پتا نہیں چلے گا۔ اس سے کیا یہ بہتر نہیں کہ یہ بتا دو، انگلی کہاں ہے؟“

”کاش ہمیں معلوم ہوتا۔ ہم فوراً آپ کو بتا دیتے۔“ اشفاق

بولی۔

”اچھا تو میں جا رہا ہوں، اب کل آؤں گا۔“ اس نے کہا۔

ساتھ ہی جاتے قدموں کی آواز سنی۔

”اے اے ڈگو صاحب، بھائی ڈگو، سنیے تو، یقین کریں۔“

ہم نہیں جانتے۔ میں چیخا۔

اس کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ قدموں کی آواز دور

ہوتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ ہم مایوس ہو کر کمرے کے فرش پر

اکڑوں بیٹھ گئے۔ کمرے میں ایک بڑا سا روشن دان تھا۔ اس روشن دان میں سے روشنی اندر آرہی تھی اور ہمیں بتا رہی تھی کہ کمرے میں کسی قسم کی کوئی چیز نہیں ہے۔ نہ کوئی فرنیچر، نہ کھانے پینے کی کوئی چیز۔ ہمارے دل بیٹھنے لگے، سانس سینے میں اٹکنے لگے ایسے میں اخلاق بولا:

”کاش ہمیں معلوم ہوتا، وہ منحوس انگلی کہاں ہے، ہم فوراً

اس ظالم ڈگو کو بتا دیتے۔“

”اس سے بھی کچھ نہ ہوتا۔ وہ ہمیں آزاد پھر بھی نہ کرتا۔“ میں

نے کچھ سوچ کر کہا۔

اسی وقت باہر سے ڈگو کی آواز سنائی دی:

”بہت خوب، تو تمہیں واقعی معلوم نہیں کہ انگلی کہاں ہے؟“

”اوہ، انکل ڈگو آپ نے ہماری باتیں سن لیں۔ شکر ہے۔“

خدا کا، آپ کو یقین تو آ گیا کہ ہمیں انگلی کے بارے میں معلوم نہیں۔“

”ہاں، اس میں کوئی شک نہیں کہ مجھے بالکل یقین آ گیا ہے۔“

وہ چمک کر بولا۔

”پھر ہمیں کمرے سے نکالیے نا۔“ آفتاب خوش ہو کر بولا۔

”اس بارے میں تمہارے بھائی کا خیال ہی ٹھیک ہے۔ میں

تمہیں کمرے سے نہیں نکالوں گا۔ جب تک اس انگلی کا مسئلہ حل

نہیں ہو جاتا، ورنہ تمہاری ٹانگ اڑ جائے گی۔“



"ہم وعدہ کرتے ہیں، ہماری ٹانگ نہیں اڑے گی۔" اخلاق

بولی۔

"بھئی، جان کے خوف سے جھوٹے وعدوں پر اتر آئے۔" اس نے طنز یہ لہجے میں کہا۔

"اوہ ہاں، واقعی۔ مسٹر ڈگو، آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ اگر ہم آزاد ہو گئے تو واقعی ٹانگ اڑانے سے باز نہیں رہیں گے۔ ہماری طبیعتیں ہی ایسی ہیں۔ میں نے تسلیم کیا۔

"تو پھر رہو اسی کمرے میں۔ میں تو چلا۔" اور اس مرتبہ وہ شاید واقعی چلا گیا تھا، کیونکہ کئی منٹ تک اس کی آواز سنائی نہ دی۔

"یوں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ رہنے سے کچھ نہیں بنے گا۔" میں اٹھتے ہوئے بولا۔

"ہم کمرہ ہی کیا سکتے ہیں، نے دے کے کمرے میں ایک روشن دان ہے اور وہ کافی ادبچا ہے۔" آفتاب نے کہا۔

"اللہ ہو کار ہے ان کا، جو لوگ اپنی مدد کرتے ہیں۔" بھائی جان آپ میرے کندھوں پر کھڑے ہو کر روشن دان تک پہنچنے کی کوشش کریں۔ میرا لمبا قد کس دن کام آئے گا؟" اخفاق بولا۔

"اچھا، آجاؤ اس کے نیچے۔" میں بولا۔

اخفاق ہم سب میں لمبا ہے۔ وہ روشندان کے نیچے دیوار

سے لگ کر بیٹھ گیا۔ میں اس کے کندھوں پر کھڑا ہو گیا۔ اب اس نے اوپر اٹھنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اخفاق اور آفتاب بے قراری کے عالم میں اخفاق کو تھامے کھڑے تھے کہ کہیں وہ یا میں گر نہ جائیں۔ میں نے دیوار پر ہاتھ رکھ کر اوپر اٹھانے شروع کیے اور یہ دیکھ کر ہماری سٹی گم ہو گئی کہ میرے ہاتھ تقریباً ایک فٹ نیچے رہ گئے تھے۔ میں نے پھلانگ لگادی اور فرش پر آ رہا۔

"اب کیا کریں؟" اخفاق بولا۔

"سولے اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ اخفاق کے اوپر اخفاق کھڑا ہو اور پھر میں۔ صرف اس صورت میں میرے ہاتھ روشن دان تک جا سکتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے، ہم یہ کوشش ضرور کریں گے۔ یہاں سسک سسک کر مرنے سے یہ بہتر ہے کہ آزادی کے لیے کوشش کرتے ہوئے جان دیں۔" اخفاق بولا۔

اب وہ پھر نیچے بیٹھ گیا۔ اخفاق اس کے اوپر بیٹھ گیا۔ میں نے آفتاب کا سہارا لیا۔ پہلے اخفاق کے کندھے پر چڑھ رہا اور پھر اخفاق کے کندھے پر بیٹھ گیا۔

"اخفاق، چسپے تم اٹھو گے آہستہ آہستہ۔ میں نے اسے ہدایت دی۔"



”جی بہتر، آپ فکر نہ کریں۔“ یہ کہہ کر وہ اٹھنے لگا بہت آہستہ آہستہ۔ یہاں تک کہ میں بے چین ہو گیا۔  
”بھئی، اب میں نے اس قدر آہستہ آہستہ بھی نہیں کہا تھا۔“

”جی اچھا“ اس نے کہا اور رفتار کچھ بڑھا دی۔ یہاں تک کہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اب اس کے اوپر ہم دو کا وزن تھا اور اس کے قدم ڈگ مگ رہے تھے۔

”ہمت جوان رکھو اشفاق، چلو اخلاق، اب تمہاری باری ہے اٹھنے کی۔“ میں نے انہیں حوصلہ دلایا۔ آفتاب بے چارگی کے عالم میں کھڑا یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔ وہ کہہ بھی کیا سکتا تھا۔ جو ہی اخلاق سیدھا کھڑا ہوا اور میں نے ہاتھ اوپر اٹھائے۔ اشفاق کے قدم زود سے ڈگ گئے۔ اخلاق توازن برقرار نہ رکھ سکا اور اس کے قدم درمیان سے نکل گئے، بس پھر کیا تھا، میں اور وہ دھڑام سے گرے۔ اشفاق بھی جلدی سے اکڑوں بیٹھ گیا اور سسکیاں لینے لگا۔

”یہ کیا، تم رو رہے ہو؟“

”میں اپنی ناکامی پر افسوس کر رہا ہوں۔“

”اس سے کیا ہو گا۔ یہ ہمت کرنے کا وقت ہے۔“

بار بار ہمت کرنے کا۔ آؤ ایک بار پھر کوشش کریں۔

”اس بار نیچے میں کھڑا ہوں گا۔ میں اگرچہ اشفاق سے کم لمبا ہوں، لیکن ہاتھ پیر کا زیادہ مضبوط ہوں۔“ اچانک آفتاب بول پڑا۔

ہم نے ایک ساتھ اس کی طرف دیکھا۔

”شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ آؤ، بسم اللہ کرو۔“

بولا۔

”بسم اللہ الرحمن الرحیم۔“ اس نے خلوص دل سے بسم اللہ پڑھی۔

اخلاق اس کے اوپر بیٹھ گیا اور پھر میں۔ پہلے کی طرح اٹھنے کا مرحلہ شروع ہوا اور خدا کا شکر ہے کہ اس مرتبہ میرے ہاتھ روشن دان تک پہنچ گئے۔ اس کے درمیان میں ایک سلاخ لگی تھی۔ میں نے سلاخ کو پکڑ لیا اور اوپر اٹھنے لگا۔ اخلاق نے آفتاب کے اوپر سے چھلانگ لگا دی۔

اب میں اوپر اٹھ رہا تھا۔ ہاتھوں کے بل روشن دان تک پہنچنا میرے لیے پہاڑ مہم کرنے کے برابر تھا۔ میں نے ایسا کام کبھی نہیں کیا تھا، لیکن چونکہ پتلا دبلا ان کی نسبت میں تھا۔ اس لیے صرف میں روشن دان میں سے گزر سکتا تھا۔

آخر میرا سر روشن دان میں داخل ہو گیا۔ اب اور بھی مشکل مرحلہ تھا۔ مجھے پورا دھڑ روشن دان میں سمیٹ کر لے لیں باہر کی طرف ڈگنا تھیں اور یہ کام کوئی خالہ جی کا گھر نہیں



تھا۔ لیکن اس کے بغیر چارہ بھی نہیں تھا، لہذا کسی نہ کسی طرح سمٹ سمٹ کر پلوا دھڑ روشن دان میں داخل کر دیا اور رخ تبدیل کرنا شروع کیا۔ ایسے میں سلاح کو صرف ایک ہاتھ سے تھامنا پڑا۔ خدا خدا کر کے میں ٹانگیں دوسری طرف لٹکانے میں کامیاب ہو گیا اور اب اس خوف ناک مہم کا نسب سے خوف ناک مرحلہ درپیش تھا۔ یعنی نیچے چھلانگ لگانا: چنانچہ میں نے کہا۔

”لو بھئی، میں چھلانگ لگانے لگا ہوں۔ دعا کرنا چوٹ دوٹ سے محفوظ رہوں۔ اگر کوئی ہاتھ پیر تڑوا بیٹھا تو بس گیا کام سے۔“

خدا کر کے آپ، بغیر عافیت دوسری طرف گمیں۔“

آفتاب نے انوکھی دعا مانگی اور میں ایسی حالت میں بھی مسکرائے بغیر رہ سکا، لیکن میں جانتا ہوں، ان تینوں کے پاس مسکراہٹ پٹکی بھی نہیں ہوگی۔ ان کی تو اس وقت جان پر بنی تھی۔ میرا فکر انہیں کھائے جا رہا تھا۔ آخر میں نے خدا کو یاد کرتے ہوئے سلاح چھوڑ دی۔

گرتے ہی مجھے ایک زوردار چکر آیا۔ زمین آسمان مجھے گھومتے محسوس ہوئے۔ یوں لگا، جیسے ٹانگیں میرے جسم میں دھنس گئی ہوں۔ چند منٹ تک بے سدھ پڑا رہا، پھر اٹھنے

کی کوشش کی۔ ایک منٹ کی کوشش کے بعد اپنے پیروں پر کھڑا ہونے میں کامیاب ہو گیا اور دروازے کی طرف بڑھا، پھر یہ دیکھ کر دھک سے رہ گیا کہ دروازے پر تالا لگا دیا گیا تھا۔

## ہول ناک چھڑپ

”بھائی جان، آپ غیریت سے تو ہیں؟“ آفتاب کی بلند آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

”ہاں، میں ٹھیک ہوں، فکر نہ کریں۔ ابھن یہ ہے کہ ڈگو جاتے وقت دروازے پر تالا لگا گیا ہے۔ خیر، میں باہر نکل کر کوئی اینٹ یا پتھر تلاش کرتا ہوں، تم لوگ گھبراتا نہیں۔ میں نے بند آواز میں کہا۔

”اب جب کہ آپ باہر نکل چکے ہیں، ہم گھبرا کر کیا کریں گے۔ اب تو آپ کچھ نہ کچھ کر ہی گزریں گے۔“

”ہاں بالکل۔“ میں نے کہا اور بیرونی دروازے کی طرف چل پڑا۔ یوں تو میں انہیں دلاسا دے چکا تھا، لیکن میرے دل کی کیا حالت تھی، یہ میں ہی جانتا تھا۔ اونچائی پر سے گرنے کی وجہ سے میرا پورا بدن دکھ رہا تھا۔ ایسے میں مجھے تالا بھی توڑنا تھا۔ شہر سے ہم کافی دور تھے اور پیدل شہر تک پہنچنا آسان

نہیں تھا۔ بیرونی دروازے پر پہنچ کر مجھے ایک اور دھچکا لگا۔ یہ دروازہ بھی باہر سے بند تھا۔ میرا دل بھر آیا۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ ایک منٹ تک کھڑا سوچتا رہا۔ آخر چھت کا خیال آیا۔ زینے کی تلاش شروع کی، پھر چھت پر پہنچا۔ مکان کافی اونچا تھا اور اتنی اونچائی سے چھلانگ لگانا میرے بس کی بات نہیں تھی۔ میں نے چاروں طرف کا جائزہ لیا۔ نیچے اترنے کا کوئی راستہ نظر نہ آیا۔ سورج سر پر چمک رہا تھا اور اس کی دھوپ دکھتے ہوئے جسم میں چبھ سی رہی تھی۔ سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ آزاد ہونے کی امید ٹوٹی محسوس ہوئی۔ چنڈ منٹ تک سکتے کے عالم میں بیٹھے رہنے کے بعد پھر اٹھا اور ایک بار پھر منڈیر کا جائزہ لیا۔ آخر ایک بات ذہن میں آئی۔ ایک سے چار بھلے۔ پہلے ان تینوں کو تو بند کمرے سے نکلنا چاہیے۔ شاید ہم چاروں مل کر مکان سے نکلنے کی کوئی ترکیب سوچ لیں۔ اس خیال کا آنا تھا کہ منڈیر کی ایک اینٹ اٹھاؤں۔ پتھر نہیں کیا گیا تھا۔ اس لیے اس پر زیادہ زور نہیں لگانا پڑا۔ اینٹ لے کر نیچے اترا اور تالے پر مارنا شروع کی۔

”یہ کیا کر رہے ہو بھائی جان؟“ اندر سے اتفاق بولا۔

”ایک اینٹ لایا ہوں۔ اسے تالے پر مار رہا ہوں۔ ان

حالات میں اور کیا کر سکتا ہوں؟“



”شکریہ بھائی جان۔“ وہ تینوں ایک ساتھ بولے۔  
پانچ منٹ تک مسلسل اینٹ برسانے کا نتیجہ یہ نکلا کہ  
تالا تو نہ ٹوٹا؛ البتہ دروازے کا کنڈا ٹوٹ گیا۔ ان حالات  
میں یہ بھی غنیمت تھا۔ دروازہ کھلا تو وہ تینوں ایک ساتھ باہر  
نکلے اور مجھ سے چٹ گئے۔

”بھائی جان، آزادی مبارک۔“  
”ابھی آزادی۔“ کا خواب ہے دوستو۔ بیرونی دروازہ  
بھی باہر سے بند ہے اور اب ہمیں مل کر باہر نکلنے کی تدبیر  
کرنی ہے۔“  
”اوہ“ وہ دھک سے رہ گئے۔

آخر ہم نے باقی ماندہ مکان کا جائزہ لیا اور دو چار  
پائیاں تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اب کام آسان تھا۔  
ان کی رسیاں کھول کر انہیں آپس میں باندھا گیا۔ میں ان  
سب میں ہلکا تھا، لہذا میں نے ہی ٹیکے کا فیصلہ کیا۔ رسی کو  
منڈیر سے باندھا گیا اور میں اللہ کا نام لے کر رسی پکڑ کر  
لٹک گیا۔ ہر آن یہ دھڑکا لگا ہوا تھا کہ رسی اب ٹوٹی کہ  
اب ٹوٹی، لیکن خدا کا شکر ہے، وہ نہیں ٹوٹی اور میں نیچے اترنے  
میں کامیاب ہو گیا۔

ٹھوڑی دیر بعد ہم سرک کی طرف سرپٹ دوڑے جا رہے

تھے۔ وہ تینوں مجھ سے آگے تھے۔ میں ان کا ساتھ نہیں دے  
پا رہا تھا، کیونکہ بدن بہت بُری طرح دکھ رہا تھا۔ میری دہر  
سے انہیں رفتار آہستہ کرنا پڑی۔ ہم پر یہ خوف بُری طرح  
سوار تھا کہ کہیں ڈگو واپس نہ آ جائے۔ ہم جلد از جلد شہر  
پہنچ جانا چاہتے تھے۔

اچانک شہر کی طرف سے جیپ کی آواز سنائی دی۔ ہمارے  
کان کھڑے ہو گئے۔

”ہو نہ ہو، یہ ڈگو ہے۔“ آفتاب کانپ کر بولا۔  
”تو پھر جلدی کرو، درختوں کے پیچھے چھپ جاؤ۔“ میں  
نے دلی آواز میں کہا۔

ہم نے آٹا فانا درختوں کی آڑے لی اور دھک دھک  
کرتے دلوں کے ساتھ جیپ کے گزرنے کا انتظار کرنے لگے۔  
ہمارا خیال ٹھیک ہی نکلا۔ ڈگو کی جیپ جلد ہی ہمارے پاس  
سے گزر گئی۔ نہ جاتے ڈگو کو اتنی جلدی واپس آنے کی کیا  
ضرورت پڑ گئی تھی۔ جیپ نظروں سے اوجھل ہونے کے بعد  
میں نے کہا۔

”ہم ایک بار پھر خطرے میں گھر گئے ہیں۔ ڈگو جیپ  
لے کر فوراً ہماری تلاش میں نکل کھڑا ہو گا۔ اب اس سے بچنے  
کا ایک ہی طریقہ ہے۔“



”جلدی بتائیے۔“ آفتاب گھبرا کر بولا۔

”یہ کہ جوں ہی ڈوگو مکان میں داخل ہو، ہم میں سے ایک جیپ کے ایک ٹائیر کی ہوا نکال دے۔“

”تو پھر آپ لوگ یہیں ٹھہریے، یہ کام میں کروں گا۔“ آفتاب نے کہا اور اس سے پہلے کہ ہم میں سے کوئی کچھ کہتا، وہ درختوں کے درمیان رہتے ہوئے ہی مکان کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔

”ہم اس سے دور نہیں رہ سکتے، کہیں وہ پھنس نہ جائے۔“ میں بے تاب ہو کر بولا۔

”ٹھیک ہے، آئیے چلیں۔“

ہم بھی مکان کی طرف بڑھنے لگے۔ اچانک ہم نے ٹائیر سے ہوا نکلنے کی آواز سنی، پھر آفتاب کو دوڑ کر آتے دیکھا۔ ”اب جس قدر تیز دوڑ سکتے ہو دوڑو، ورنہ ڈوگو ہمارے سروں پر پہنچ جائے گا۔“ اشفاق بولا۔

”ہم اس سے بلاوجہ ڈر رہے ہیں۔ پہلے اور بات تھی۔“

اب ہم آزاد ہیں اور درختوں کے درمیان ہیں۔ اگر ہم ایک ایک شاخ اٹھا کر اس پر حملہ کر دیں تو وہ ہمارا بال بھی بیکا نہیں کر سکے گا۔ آفتاب نے نزدیک آتے ہوئے کہا۔

”لیکن اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔ ہمیں بھاگ نکلنے کا موقع

حاصل ہے۔“ اخلاق نے اعراض کیا۔

”ٹھیک ہے۔ ہم نکلے چلے جاتے ہیں، لیکن راستے میں جو بھی شاخ نظر آئے، اٹھا لینا۔ کیا خبر اس کی ضرورت پیش آجائے۔“

ہم نے یہی کیا۔ دوڑتے رہے اور شاخیں اٹھاتے رہے۔ یہاں تک کہ ہر ایک کے پاس ایک ایک شاخ ہو گئی۔ ٹھک پر پہنچ کر ہم نے اوم اومر دیکھا، دور دور تک کسی گاڑی کا کوئی نشان تک نہیں تھا۔ اسی وقت ہم نے اپنے پیچھے دوڑتے قدموں کی آواز سنی۔ ساتھ ہی ڈوگو کی بلند آواز ہمارے کانوں سے ٹکرانی۔

”میں نے تمہیں دیکھ لیا ہے۔ اب تم بچ کر نہیں جا سکتے۔“ شہر یہاں سے اٹھارہ کلو میٹر دور ہے۔ ”اللہ مالک ہے۔ اسی نے اس مکان سے نکلنے میں مدد کی ہے، وہی شہر تک پہنچائے گا۔“ میں نے جواب دیا۔

”تمہارے لیے بہتر یہ ہے کہ واپس اسی مکان میں چلو۔“

”اور چل کر اندر بند ہو جائیں اور بھوکے پیاسے مرجھائیں واہ، کتنی شاندار ترکیب ہے۔“ آفتاب نے طنز بھری آواز میں کہا۔ اتنے میں وہ نزدیک آ گیا۔ بری طرح مانیہ رہا تھا، مانیہ ہم بھی رہے تھے، لیکن اس کی نسبت کم۔ وہ ہم سے زیادہ عمر



کاتھا۔ بے پھل والا چاقو اب بھی اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس کے نزدیک آتے ہی ہم ادھر ادھر ہو گئے۔ وہ ہمارے درمیان میں آگیا اور چاقو والا ہاتھ خوف ناک انداز میں لہرایا۔ ہمارے دل دھکڑ دھکڑ کرنے لگے۔ ہم ٹھہرے لڑائی بھڑائی کے اصولوں سے ناواقف، کمزور اور تنگ منک سے۔ وہ تنومند اور پھر اس کے ہاتھ میں چاقو، ہم کانپ نہ جاتے تو کیا کرتے۔ اچانک وہ چاقو لہراتا میری طرف بڑھا۔ میری تو جان ہی نکل گئی۔ بدحواس ہو کر مڑا اور پوری قوت سے دوڑا۔ وہ بھی بے تماشا تعاقب کر رہا تھا۔ اچانک کوئی چیز اس کے سر پر زور سے لگی۔ یہ مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ آفتاب نے اپنی شاخ اس کے سر پر مار دی تھی۔ ڈوگو میرا تعاقب کر رہا تھا تو وہ ڈوگو کا۔ اشفاق اور اخلاق بھی دائیں بائیں تقریباً ساتھ ساتھ تھے، لیکن ان سے پہلے آفتاب کام دکھا گیا۔ شاخ کچھ اس زور سے لگی کہ اس کے ہاتھ بے اختیار سر کی طرف اٹھ گئے۔ ایسے میں اخلاق نے جرات سے کام لیا اور ایک وار اور اس کے سر پر پڑا۔ اشفاق نے یہ دیکھا تو اسے بھی ہوش آگیا اور اس نے بھی شاخ سر پر دے ہی ماری؛ حالانکہ ایسے کاموں میں وہ بہت گھبراتا ہے۔

”اب بس کرو اور بھاگ چلو۔“

شاخیں پھینک کر سر ٹرک پر سر پٹ دوڑنے لگے۔ اس بری طرح ہم زندگی میں بہت کم موقعوں پر بھاگے ہوں گے۔ یوں لگتا تھا جیسے موت ہمارے تعاقب میں ہو؛ حالانکہ ڈوگو وہیں پڑا رہ گیا تھا۔ اچانک ایک کار سامنے سے آتی دکھائی دی۔ آفتاب نے سوچے سمجھے بغیر اسے رکنے کا اشارہ کر دیا۔

”کیا کر رہے ہو، یہ تو شر سے آرہی ہے۔“

”تو کیا ہوا، ہماری زندگیاں اس وقت خطرے میں ہیں۔“

کار نزدیک پہنچی تو ہم نے بے اختیار ہاتھ اٹھا دیے۔ کار ولے نے حیرت زدہ انداز میں کار روک لی اور بولا:

”غیر تو ہے، کیا تم لوگ لفٹ چاہتے ہو؟“

”ایک دشمن ہمارے پیچھے لگا ہے، ہم اسے زخمی کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں، لیکن ابھی ہم خطرے سے باہر نہیں ہوئے۔ اگر آپ ہمیں شہر تک چھوڑ آئیں تو یہ آپ کا ہم پر بہت بڑا احسان ہو گا۔“

”شہر چھوڑ آؤں، لیکن میں تو اس طرف جا رہا ہوں اور مجھے بہت ضروری کام ہے۔“

”جیسے آپ کی مرضی، لیکن یہ سوچ لیں کہ ہماری زندگیاں خطرے میں ہیں۔ آفتاب نے وہ بھرتے ہیچے میں گما۔“

نہ جانے اس کے لیے میں کیا بات تھی کہ وہ مسکرا دیا۔



اور بولا :

"اچھا چلو، بیٹھ جاؤ۔"

اور ہم کھل اٹھے۔ جلدی جلدی کار میں بیٹھ گئے۔ اس نے کار موڑی اور شہر کی طرف چل پڑا۔

"بہت بہت شکریہ جناب۔"

"لیکن بات کیا تھی، کون آپ کے پیچھے لگا ہوا تھا؟"

"ایک دشمن، وہ ہمیں ہلاک کرنا چاہتا تھا۔ مہربانی فرما کر آپ ہمیں کسی بھی پولیس سٹیشن تک پہنچا دیں۔ ہماری کہانی کل کے اخبارات میں پڑھ لیجیے گا۔"

"اچھا! اس نے کہا۔"

تھوڑی دیر بعد ہم ایک پولیس سٹیشن سے انکل فارانی، آبا جان اور سب انسپکٹر کاشان کو فون کر چکے تھے اور ان کے انتظار میں بیٹھے تھے۔ پولیس سٹیشن کے انچارج کو بھی حالات کسی حد تک بتانا پڑے تھے، تب کہیں جا کر اس نے فون کرنے کی اجازت دی تھی۔

آدھ گھنٹے بعد انکل فارانی، آبا جان، سب انسپکٹر کاشان اور اکبر راٹھور وکیل وہاں پہنچ گئے۔ ہم نے انہیں تمام حالات تفصیل سے سنائے۔ حالات سن کر سب نے اس مکان کی طرف چلتے کا پروگرام بنایا۔ اس پولیس سٹیشن کا انچارج بھی نہ رہ سکا کیونکہ

واردات اس کے علاقے میں ہوئی تھی۔ جیپوں اور کاروں میں لہ کر ہم اس جگہ پہنچے، جہاں ہماری ڈگو سے بھرپ ہوئی تھی۔ لیکن اب ڈگو وہاں نہیں تھا؛ البتہ اس کے سر سے بننے والا خون ضرور وہاں پڑا تھا، پھر یہ قافلہ اس مکان تک بھی گیا۔ آخر ہم ناکام واپس روانہ ہوئے۔ نہ جانے ڈگو کہاں چھپ گیا تھا۔ اس کی جیب ابھی تک مکان کے پاس کھڑی تھی اور اس کے ایک ٹائر کی ہوائنگلی ہوئی تھی۔



میرے ذہن میں ایک خیال آیا ہے۔ زوردار خیال۔ اگر اجازت ہو تو عرض کر دوں "آفتاب نے بستر میں دبکے ہوئے کہا۔ اس لمبی بھاگ دوڑ کے بعد ہم نے بقیہ تمام دن تھکن آٹارنے کا فیصلہ کیا تھا۔

"ہاں ضرور، لیٹ کر ہم اپنا اپنا خیال تو پیش کر ہی سکتے ہیں۔ میں نے کہا۔"

"تو پھر سنئے، جس شخص کی انگلی کاٹی گئی ہے وہ اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ میرا خیال ہے، پتے سے قتل کیا گیا تھا، پھر اس کے ہاتھ سے انگلی کاٹی گئی۔"



"لیکن کیوں، قاتل کو انگلی کاٹنے کی کیا ضرورت تھی۔  
اخلاق نے اعتراض کیا۔

"ہو سکتا ہے، یہ خاندانی دشمنی کا کوئی چکر ہو۔" آفتاب  
بولتا۔

"کچھ بھی ہو، معاملہ ہے ضرور عجیب و غریب۔" اشفاق بڑبڑایا۔  
"کاش، وہ انگلی ہمارے ہاں سے چوری نہ ہوتی۔" آفتاب  
نے سر د آہ بھری۔

"اور تم مہ بہرام سے اس کے ایک لاکھ روپے حاصل کر  
لیتے۔ یہی بات ہے نا؟" میں نے جھٹکا کر کہا۔

"جی نہیں، لیکن ہم اس راز سے پردہ تو اٹھا سکتے تھے۔  
"وہ تو ہم انگلی کی چوری کے بعد بھی کوشش کر سکتے ہیں  
اور انشاء اللہ پردہ اٹھا کر رہیں گے۔"

میں اسی وقت فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ فون میرے  
بالکل قریب تپائی پر رکھا ہوا تھا۔ ریسپورڈ اٹھا کر کان سے لگا  
تو دوسری طرف سے ایک کھر ددی سی آواز سنائی دی،  
"ہیلو مسٹر شوکی، یہ تم ہی ہونا۔ اچھا تو سنو، انگلی والا  
معاملہ ذہن سے نکال دو۔"

"آپ کون ہیں اور ہمیں حکم سنانے سے آپ کا کیا مطلب  
ہے؟"

"میں کون ہوں، اس بات کو چھوڑیے۔ اس سارے معاملے  
کو ذہن سے نکال دیں، ورنہ ہو سکتا ہے آپ نقصان اٹھا لیں۔"  
"شکریہ، ہم اپنا نفع نقصان خود بہتر سمجھتے ہیں۔" میں نے  
جل کر کہا۔

"خیر۔ جیسے آپ کی مرضی۔ اگر ہم نے دیکھا کہ آپ  
بدستور اس معاملے میں ٹانگ اڑائے ہوئے ہیں تو ہم بھی کوئی  
رعایت نہیں کریں گے۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی ریسپورڈ رکھ دیا۔  
"کون تھا بھائی جان؟"

"پتا نہیں، جو کوئی بھی تھا آواز بدل کر بول رہا تھا۔  
یا پھر ماوتھ پیس پر پکڑا رکھا ہوا تھا اس نے۔" اس نے ہمیں  
دھکی دی ہے کہ انگلی والے معاملے میں اب مزید دخل نہ دیں۔  
"ادھ۔" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"سوال یہ ہے کہ انگلی پہلے کہاں تھی؟" اشفاق بول اٹھا۔  
"وہ خان تنویر کے گھر میں موجود تھی۔ ڈگو بھی خان تنویر  
کا ملازم ہے۔" فاضل بیگ بھی خان تنویر کے گھر میں کام کرتا  
ہے۔ اسے یہ تو سلسلے ملتے جا رہے ہیں۔ خدا کے لیے بھائی  
جان کا شان صاحب کو بلائیے، اکبر راجپور کو فون کیجیے۔ میں ڈگو  
کے سلسلے میں خان تنویر سے پوچھ چکے کرتے کہ پورا حق حاصل ہے؟  
آفتاب نے بے قراری کے انداز میں جلدی جلدی کر کہا۔



"اوه، اوه، آفتاب ٹھیک کہہ رہا ہے۔" اشفاق بول پڑا۔  
 "ٹھیک ہے، ہم سے غلطی ہوئی۔ جنگل سے ناگام لوٹنے کے بعد ہمیں فوری طور پر خان تنویر سے ڈگو کے بارے میں جواب طلب کرنا چاہیے تھا۔ میں نے پریشان ہو کر کہا پھر سب انسپکٹر کا شان کو فون کیا۔ اس کے بعد اکبر راجھور کو فون کیا۔ دونوں نے فوراً پہنچنے کا وعدہ کیا اور میں نے مطمئن ہو کر ریسپور رکھ دیا۔

پندرہ منٹ بعد ہم جیپ میں بیٹھے خان تنویر کی کوٹھی کا رخ کر رہے تھے۔ گھنٹی کے جواب میں فاضل بیگ نے دروازہ کھولا اور ہمیں حیرت زدہ انداز میں دیکھا۔  
 "ہمیں خان تنویر سے ملنا ہے۔" کا شان نے کہا۔

"وہ تو اس وقت گھر میں نہیں ہیں۔"  
 "خیر، ہم ان کا انتظار کر لیں گے۔ آپ بیگم صاحبہ کو ہماری آمد کی اطلاع دیں۔"

"جی بہتر۔" اس نے کہا اور ہمیں ڈرائنگ روم میں بٹھا کر اندر چلا گیا۔ جلد ہی بیگم تنویر آتی نظر آئی۔ ہم پر نظر پڑتے ہی اس نے کہا۔

"اوہو، آپ لوگ بھی ہیں۔ فرمائیے، میں کیا خدمت کر سکتی ہوں؟"

"یہ سب انسپکٹر کا شان اور یہ اکبر راجھور ایڈووکیٹ ہیں، ہم دراصل خان تنویر سے کچھ بات کرنے کے لیے آئے تھے۔"  
 "وہ بس آنے ہی والے ہوں گے۔"

"ہم آپ سے ایک کتاب لے گئے تھے۔ افسوس ابھی تک پڑھنے کا موقع نہیں مل سکا۔ امید ہے، آپ محسوس نہیں کریں گی۔" میں نے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔" اس نے کہا اور میں سوچنے لگا، وہ کتاب ہے کہاں۔ ہمیں تو اسی وقت ڈگو جنگل والے مکان میں لے گیا تھا، گویا کتاب جیپ میں رہ گئی تھی۔  
 "ویسے اس کتاب کے حاشیوں پر لکھے ہوئے نوٹس خوب ہیں اور آپ کا طرز تحریر بھی بہت خوب صورت ہے۔"

"شکریہ۔" اس نے خوش ہو کر کہا۔  
 اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی اور بیگم تنویر کے منہ سے نکلا۔

"بیجی، وہ آگئے۔" یہ کہہ کر وہ ڈرائنگ روم سے نکل گئیں۔  
 "شوکی، تم نے کتاب اور اس پر لکھے نوٹس کا ذکر یوں ہی کیا تھا یا کوئی خاص وجہ تھی۔" اکبر راجھور نے مجھے گھور کر دیکھا۔

"جی ہاں، خاص وجہ ہی سمجھ لیں۔" میں مسکرا دیا۔



قدموں کی آواز ابھری اور پھر خان تنویر اپنی بیگم سمیت اندر داخل ہوئے۔

”آپ لوگ پھر آگئے۔“

”جی ہاں مجبوری ہے۔ آپ کا ملازم ڈگو کہاں ہے؟“

”زمینوں پر گیا ہے۔ کیوں کیا بات ہے؟“

”میں جانتا ہوں جناب، میرا ہم کاشان ہے۔ میں سب انسپکٹر

پولیس ہوں۔ جب یہ چاروں آپ کے گھر سے نکلے تو ڈگو جیب

میں ان تک پہنچا اور نفٹ کی پیش کش کی، لیکن وہ انہیں

ان کے دفتر کی بجائے آپ کی زمینوں کی طرف لے گیا۔ وہاں

آپ نے ایک مکان بنا رکھا ہے۔ اس نے انہیں اس مکان

میں قید کر دیا۔ یہ بے چارے سخت محنت کے بعد اور تکلیف

اٹھا کر روشن دان کے ذریعے کسی نہ کسی طرح نکلنے میں کامیاب

ہو گئے، لیکن بیرونی دروازہ بھی بند تھا۔ چار پائیوں کی رسیوں کو

آپس میں جوڑ کر یہ مکان سے باہر نکلے اور ہر سے ڈگو آگیا۔ یہ

بھاگ نکلے، لیکن پھر ڈگو ان تک پہنچ گیا۔ ان سے بھرپ

ہوئی اور یہ اسے زخمی کر کے بھاگ نکلے۔ ایک کار میں نفٹ

لے کر یہ پولیس سٹیشن تک پہنچے۔ ان کی بیان کردہ کہانی کی

تصدیق پوری طرح ہو گئی ہے، لہذا ہمیں ڈگو کی تلاش ہے۔ اس

پر انہیں جس بے جا میں رکھنے کا الزام ہے۔

”اٹ میرے خدا، یہ میں کیا سن رہا ہوں۔ میں سوچ بھی

نہیں سکتا تھا کہ ڈگو ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ یہ تو میں جانتا ہوں

کہ وہ ایک غنڈہ ہے اور پہلے غنڈہ گردی کیا کرتا تھا، لیکن پھر

میں نے اسے ملازم رکھ لیا اور اس نے وعدہ کیا تھا کہ کوئی

غلط کام نہیں کرے گا۔ میں حیران ہوں، اس نے انہیں اس

مکان میں قید کیوں کیا۔

”آپ اس کے گھر کا پتا بتا سکتے ہیں؟ میں نے بے چین ہو

کر پوچھا۔

”نہیں جناب، اس کا کوئی گھر نہیں ہے۔ اب وہ اسی جنگل

والے مکان میں رہتا ہے۔“

”ہوں خیر، ہم اس کی تلاش کرائیں گے۔ اسے گرفتار کر ہی

لیں گے۔ اگر آپ کو اس کے بارے میں معلوم ہو تو مجھے فون

کر دیں۔ یہ رہا میرا فون نمبر۔ کاشان نے اپنا کارڈ اس کے

سلمے رکھ دیا۔ پھر ہم اس سے رخصت ہوئے۔ باہر نکلتے ہی میں

نے کہا:

”اگل کاشان، ہمیں ایک بار پھر جنگل والے مکان تک چن

ہے۔“

”کیوں؟ اب کیا ضرورت ہے وہاں جانے کی؟ اس نے



حیران ہو کر کہا۔

"ہم جیب میں ایک چیز بھول آئے ہیں اور وہ چیز اس کیس میں بہت ضروری ہے۔"

"ٹھیک ہے" چلتے چلتے ہیں۔ اس نے کہا۔ اکبر راٹھور نے بھی کوئی اعتراض نہ کیا

جب ہم جنگل والے مکان کے پاس پہنچے، سورج غروب ہو چکا تھا اور اندھیرا پھیل گیا تھا۔ جیب کی روشنی میں ہمیں ڈگو والی جیب دور سے ہی نظر آگئی۔ ساتھ ہی میں نے ایک چیز اور نوٹ کی۔

"اوہو! مکان میں روشنی ہو رہی ہے، کہیں ڈگو مکان میں ہی تو موجود نہیں۔"

"اور اس صورت میں ہمیں جیب کی لائٹس بجا دینی چاہئیں۔" کہیں وہ ہوشیار نہ ہو جائے۔" لاشان نے کہا اور لائٹس بجھا دیں۔ رفتار بھی کم کر لی، پھر اسے کچھ فاصلے پر ہی روک دیا اور ہم نیچے اتر آئے۔ لاشان نے اپنا پستول نکال کر ہاتھ میں لے لیا۔ اب ہم دبے پاؤں آگے بڑھے۔

"پہلے تم جیب میں سے وہ چیز اٹھاؤ گے یا ہم مکان میں داخل ہونے کی کوشش کریں؟"

"وہ چیز پہلے نکالیں گے۔ میں نے کہا اور آگے بڑھ کر

جیب کے پچھلے حصے میں داخل ہو گیا۔ بیگم خان تنویر کی کتاب سیٹ کے نیچے پڑی لی۔ اس کی طرف کسی نے دھیان بھی نہیں دیا تھا۔ جب ہم ڈگو کی تلاش میں یہاں تک آئے تھے تو صرف مکان کا جائزہ لے کر واپس چلے گئے تھے۔ اس وقت کسی نے جیب کی طرف توجہ نہیں دی تھی، نہ ہمیں کتاب کا خیال آیا تھا۔ میرے ہاتھ میں کتاب دیکھ کر لاشان نے حیران ہو کر کہا:

"یہ تو کتاب ہے۔"

"ہاں جناب، لیکن اس کیس میں اس کتاب کی بھی ضرورت پڑے گی۔" یہ کہہ کر میں نے کتاب جیب میں ٹھونس لی۔ اب ہم مکان کی طرف متوجہ ہوئے۔ ہم نے دیکھا، مکان کا دروازہ کھلا تھا۔ ہم دبے پاؤں اندر داخل ہو گئے۔ دائیں ہاتھ ایک کمرے میں روشنی ہو رہی تھی۔ اس کا دروازہ بھی کھلا تھا اور اندر سے باتیں کرنے کی آوازیں آرہی تھیں؛ گویا ڈگو کے علاوہ دماغ کوئی اور بھی تھا۔ ہم جوش میں بھر گئے۔ اس وقت ہم ادھر صرف اس کتاب کی وجہ سے چلے آئے تھے۔ کسے معلوم تھا کہ ہمارا ادھر نکل آنا اس قدر نتیجہ خیز بھی ہو سکتا ہے۔ کمرے کے کچھ اور نزدیک ہو کر ہم نے گفت گو کی طرف کان لگا دیے۔ ہم نے سنا:

ڈگو کہہ رہا تھا:

"میں نے اسے حاصل کرنے کے لیے بہت محنت کی ہے۔"



بہت بڑا خطرہ مول لیا ہے۔ اتنا بڑا کہ اب میں اس ملک میں رہ کر بھی نہیں سکتا۔ اگر رہا تو پولیس مجھے ضرور گرفتار کر لے گی اور جیل میں جا اور پوری کے الزامات میں مجھے کئی سال کی سزا ہو جائے گی۔ لہذا میں نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ اس ملک کو ہی چھوڑ دوں، لیکن اس کے لیے پیسے کی ضرورت ہے اور آپ میری ضرورت سے بہت کم پیسے دے رہے ہیں۔ یہ بھی تو سوچئے مجھے اپنا وطن اس انگلی کی وجہ سے ہی چھوڑنا پڑ رہا ہے۔

"ابھی تک تو مجھے یہ یقین بھی نہیں آ سکا کہ تم واقعی انگلی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے ہو۔" ایک جانی پہچانی سی آواز سنائی دی۔

"انگلی آپ کے حوالے کر کے ہی رقم وصول کر دیں گا۔" ڈوگو نے کہا۔

"تو ٹھیک ہے۔ انگلی میرے حوالے کر دو اور ایک لاکھ روپے لے لو۔"

"کاش میں جانتا کہ اس انگلی کا راز کیا ہے۔ اس وقت میں سمجھ سکتا تھا کہ اس کی اصل قیمت کیا ہے۔ مجھے انگلی کا راز معلوم نہیں۔ اس کے باوجود میں انگلی آپ کو ایک لاکھ روپے میں ہرگز نہیں دوں گا۔ اس کی آخری قیمت پانچ لاکھ روپے ہے۔ اگر آپ کو منظور ہو تو ٹھیک ہے، ورنہ آپ جاسکتے ہیں۔"

کسی دوسرے خواہش مند کو یہاں بلا لیتا ہوں۔ ڈوگو نے اکتائے ہوئے بچے میں کہا۔

"انگلی کا کوئی راز نہیں ہے۔ بس یہ ایک عجیب و غریب چیز ہے اور میں یہ عجیب و غریب چیزیں خریدنے کا شائق ہوں۔" اگر بات صرف اتنی سی ہے، تب یہ انگلی آپ کے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ نہیں ہو سکتی۔ آپ اسے کیوں خریدتے ہیں؟

"تم نہیں جانتے ڈوگو، دنیا کے عجائب اور غرائب جمع کرنے والے کس قدر جنونی ہوتے ہیں۔ جب انہیں کسی عجیب چیز کے بارے میں معلوم ہوتا ہے تو اسے خریدنے کے لیے بے چین ہو جاتے ہیں لہذا میں بھی اس وقت بہت بے چین ہوں۔"

"تو پھر اپنی بے چینی کی قیمت ادا کریں نا۔" ڈوگو نے کہا۔

"اچھا چلو، میں تمہیں اس کے دو لاکھ روپے دے دوں گا۔"

آواز آئی۔

اور ہماری رگوں میں خون تیزی سے دوڑنے لگا۔ انگلی کی قیمت دو لاکھ تک پہنچ گئی تھی، خدا جانے یہ انگلی کیا بلا تھی۔ ہم نے سنا، ڈوگو کہہ رہا تھا:

"آپ اپنا اور میرا وقت ضائع کر رہے ہیں۔ میں پانچ لاکھ سے کم میں ماننے والا نہیں۔ یہ بھی تو سوچیے کہ مجھے ملک چھوڑنا ہے؟"



”سنو ڈگو! تمہیں اس انگلی کی مجھ سے زیادہ کوئی اور شخص  
قیمت نہیں دے سکتا۔ تم بلاوجہ زندہ کر رہے ہو۔“  
”جیسے آپ کی مرضی، آپ جا سکتے ہیں۔“ ڈگو کا لہجہ حد درجہ  
نفاک ہو گیا۔

اب ہم رہ نہ سکے۔ میں نے کاشان کو آنکھوں ہی آنکھوں  
میں کہا۔

”اب ہمیں سامنے چلے جانا چاہیے۔“

سب انچیکر کاشان نے سر ہلایا اور ہم سب دبے پاؤں آگے  
بڑھے۔ کمرے کے دروازے پر پہنچ کر ہم رک گئے۔ اور پھر ہمارے  
منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔

## عجیب کہانی

کمرے میں صرف ڈگو موجود تھا اور کوئی نہیں تھا۔ ڈگو کی  
آنکھیں بند تھیں اور وہ ایک کرسی میں دھنسا ہوا تھا۔ سر پر پٹی  
بندھی تھی۔ اس کے آگے ایک ٹیپ ریکارڈ رکھا ہوا تھا۔ ٹیپ  
ریکارڈ پر چل رہا تھا، لیکن اب کیسٹ میں سے کوئی آواز نہیں آ  
رہی تھی! گویا ابھی ابھی انہوں نے جو گفت گو سنی تھی، ٹیپ کی  
ہوئی تھی۔ ہم حیران تھے کہ معاملہ کیا ہے۔ دوسری آواز ہمیں  
سر بہرام کی محسوس ہوئی تھی، لیکن یہاں تو سر بہرام کا نام و نشان  
بیک نہیں تھا۔ ڈگو کو ہماری موجودگی کا ابھی تک پتا نہیں چلا  
تھا۔ یا تو وہ بیٹھے بیٹھے سو گیا تھا، یا خیالات میں حد درجہ گم  
تھا۔ آخر میں نے کہا:

”ہیلو سر ڈگو! یہ کیا ہو رہا ہے؟“

وہ اس طرح اچھلا جیسے کرسی میں کسی بچھونے سے کاٹ  
کھایا ہو۔ پھر اس کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔



دلگ اڑ گیا۔ بشکل اس کے منہ سے نکلا :

"آ-آ-آ-آپ"

"ہم صرف آپ ہو سکتے ہیں، آآ آپ نہیں آ آفتاب نے

منہ بنایا۔

"ہم نے ٹیپ کی گئی گفت گو سن لی ہے ڈگو۔ تو وہ انگلی

تمہارے پاس ہے"

"یہی تو رونا ہے۔ انگلی میرے پاس نہیں ہے۔ اگر میرے

پاس ہوتی تو ان لوگوں کو اغوا کیوں کرتا۔ میں نے سوچا تھا، یہ

خود زدہ ہو کر انگلی کے بارے میں بتا دیں گے اور میں انگلی حاصل

کر کے اسے سر بہرام کے ہاتھوں فروخت کر سکوں گا اور ملک سے

باہر چلا جاؤں گا"

"اور یہ گفت گو تم نے سر بہرام سے کب کی؟

"کبھی بھی نہیں کی۔ میں تو انگلی نہ ملنے کا ماتم کر رہا تھا۔

اپنی اور سر بہرام کی یہ گفت گو میں نے خود ہی ٹیپ کی ہے۔

اسے سن سن کر اپنا غم ہلکا کر رہا تھا یا یوں کہیں انیالی پلاؤ

پکار رہا تھا"

"غم ہلکا کرنے کا یہ طریقہ ہم نے زندگی میں پہلی بار دیکھا

ہے آ آفتاب نے جتنا کر کہا۔

"اگر آپ کو یقین نہیں آتا تو میں سر بہرام کی آواز میں

بات کر کے دکھا دوں۔

ہم نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا، کیونکہ یہ جملہ بھی

اس نے سر بہرام کی آواز میں کہا تھا۔

"حیرت ہے، تم اتنی کامیاب نقل کر لیتے ہو، کیا بہت

دنوں تک سر بہرام کے ساتھ رہے ہو؟ اشفاق نے پوچھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔ میں ایک بار جس کی آواز سن

لیتا ہوں، اس کی آواز کی نقل کر لیتا ہوں۔ آپ لوگوں کے دفتر

میں میں سر بہرام کی آواز سن چکا ہوں"

"اوہ، تو یہ بات ہے۔ خیر، ہم تمہیں جس بے جا کے جرم

کے تحت گرفتار کرتے ہیں۔ یہ ٹیپ ریکارڈر ہم سر بہرام کو بھی

سنائیں گے، تاکہ معلوم ہو سکے، تم کس حد تک سچ بول رہے ہو۔

اس وقت ہم سر بہرام سے یہ سوال بھی کر سکیں گے کہ انہیں آخر

اس انگلی کی کیا ضرورت ہے؟ میں نے جلدی جلدی کہا۔

سب انسپکٹر کا شان نے اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑی لگا دی۔

ٹیپ ریکارڈر کو ہم نے اپنے قبضے میں لے لیا اور واپس رواد

ہوئے۔ ڈگو کو حوالات میں چھوڑ کر ہم سر بہرام کے بل پہنچے۔

انہوں نے حیرت بھرے انداز میں ہمیں دیکھا اور بوسے

"اگر آپ انگلی میرے حوالے کر دیتے تو وہ چوری تو نہ

ہوتی"



"آپ کو تو معلوم ہی ہے، انگلی ڈگنے چرائی ہے۔ میں نے کچھ سوچ کر کہا۔"

"اسے کیا واقعی، لیکن بھلا مجھے کیونکر معلوم ہے یہ بات؟" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"ٹھہریے، ہم آپ کو چند آوازیں سناتے ہیں۔ یہ کہہ کر میں نے ٹیپ ریکارڈر چلا دیا۔ تھوڑی دیر بعد آوازیں سنائی دینے لگیں۔ سر بہرام کے چہرے پر پہلے تو حیرت کے آثار نمودار ہوئے، پھر غصے کے اور آخر گفت گو ختم ہونے کے بعد وہ چیخ کر بولے:

"یہ گفت گو میں نے ہرگز نہیں کی۔ یہ جعل سازی ہے۔"

"آپ کو آخر اس انگلی کی کیا ضرورت ہے؟"

"کیا آپ نہیں جانتے۔ مجھے عجیب و غریب چیزیں جمع کرنے کا جنون کی حد تک شوق ہے۔" اس نے آنکھیں نکالیں۔

"بس اتنی سی بات یا کچھ اور بھی۔"

"صرف یہی بات ہے اور بس۔"

"اگر انگلی مل جائے تو کیا آپ پانچ لاکھ میں اسے خرید

لیں گے؟" آفتاب نے جلدی سے پوچھا۔

"نہیں، میں اس کے ایک لاکھ سے زیادہ نہیں دوں گا۔

ٹیپ شدہ یہ الفاظ میں نے ہرگز نہیں کہے۔"

"بہت بہت شکریہ۔ آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ انگلی ڈگنے نہیں چرائی، نہ جانے کس نے چرائی ہے؛ بہر حال ہم اس کی تلاش میں ہیں۔" اگر وہ آپ لوگوں کو مل جائے تو مجھ سے ایک لاکھ روپے وصول کر سکتے ہیں۔" سر بہرام نے کہا۔

"شکریہ جناب" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ہم باہر نکل آئے۔ ابھی تک اس پوری ڈوڑھوپ کا کوئی فائدہ نہیں ہوا تھا۔ آخر میں نے سب انکمپٹ کاشان سے کہا:

"اب براہ راست ہی حملہ کرنا ہوگا۔"

"براہ راست حملہ، کیا مطلب، میں سمجھا نہیں۔"

"میں عرض کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر میں نے پائسل پر لکھی تحریر اور بیگم خان تنویر کی کتاب پر لکھی تحریر کی تفصیل دہرا دی اور بولا:

"اس سے صاف ظاہر ہے کہ انگلی خان تنویر کے گھر میں

موجود تھی۔ وہاں سے اسے بیگم تنویر نے اڑایا۔ اس کا پائسل

بنایا اور یہیں بھیج دیا؛ البتہ بھیجنے والے کے نام کی جگہ اس

نے اپنا نام نہیں لکھا۔ اپنے ملازم فاضل بیگ کا نام لکھ دیا۔

اس کا پتا گھر کے کاغذات میں موجود رہا ہوگا۔ سوال یہ ہے

کہ خان تنویر کے گھر میں انگلی کیوں موجود تھی۔ یہ انگلی ہے کس کی؟



اور بیگم خان تنویر نے اس پراسرار طریقے پر انگلی نہیں کیوں بھیجی  
انہوں نے اس کی ضرورت کیوں محسوس کی۔ ان تمام سوالوں کے  
جواب ہیں اگر کوئی دے سکتا ہے تو بیگم خان تنویر۔ اس  
بات کا ثبوت ہمارے پاس موجود ہے کہ پارسل اسی نے بنایا تھا  
میں جلدی جلدی کہتا چلا گیا۔

”اٹ خرا“ یہ باتیں آپ نے پہلے کیوں نہ بتائیں۔ آئیے  
چلیں۔ کاشان نے حیرت زدہ ہو کر کہا۔  
بیگم خان تنویر نے ہمیں دیکھ کر کچھ زیادہ ہی حیرت کا اظہار  
کیا۔

”آپ کی حیرت بجا ہے، لیکن ہمیں ایک خاص ضرورت کے  
تحت آنا پڑا۔ کاشان نے شرمسارہ لہجے میں کہا۔

”کوئی بات نہیں۔ تشریف لائیے، لیکن میں اس وقت آپ  
کو ڈرائنگ روم میں نہیں بٹھا سکوں گی۔ وہاں خان صاحب اپنے  
کسی دوست کے ساتھ بات چیت میں مصروف ہیں۔“

”کوئی بات نہیں۔ بھلا اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔“  
اکبر راٹھور بولے۔ اس مرتبہ یہ دونوں خوب ساتھ دے رہے تھے  
اور کیوں نہ دیتے۔ ہمارے پتے ہمدرد ہو تھے۔

بیگم خان تنویر ہمیں ایک دوسرے کمرے میں لے آئی۔ کمریوں  
پر بیٹھنے کے بعد اس نے کہا۔

”جی فرمائیے، میں آپ کی کیا خدمت کر سکتی ہوں۔“

”دراصل ہم آپ کی یہ کتاب لوٹنے آئے ہیں۔ ہم  
آپ کے شکر گزار ہیں۔“

”کیا مطلب؟“ وہ حیران رہ گئیں۔ ”کیا آپ سب صرف ایک  
کتاب واپس کرنے کے لیے آئے ہیں؟“

”ہاں، یہی سمجھ لیں۔ ویسے آپ کی یہ کتاب ہمارے کام  
بہت آئی ہے۔ بس یہ سمجھ لیں، اس کتاب کی مدد سے ہم نے  
ایک کیس نصف حل کر لیا ہے۔“

”میں سمجھی نہیں، آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔“

اس پر پہلے تو میں نے اسے یہ بتایا کہ کس طرح ہم کتاب  
لے کر اس کے گھر سے نکلے اور ڈوگو ہمیں جنگل والے مکان میں  
قید کرنے کے لیے لے گیا، پھر ہم وہاں سے کس طرح فرار ہوئے  
اور کتاب جیب میں رہ گئی۔ پھر بعد میں اس کتاب کی خاطر  
ہمیں ایک بار پھر جنگل والے مکان تک جانا پڑا اور اس وقت  
ہم ڈوگو کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

”آپ خود ہی سوچیں، یہ سب کچھ اس کتاب کی وجہ

سے نہیں ہوا تو اور کس طرح ہوا ہے؟“

”بہت خوب، واقعی ان حالات میں تو یہی کہا جاسکتا

ہے، لیکن میں یہ کیا سن رہی ہوں۔ ڈوگو کو گرفتار کر لیا گیا



ہے۔ اور اس نے آپ کو جس بے جا میں رکھا، آخر کیوں؟  
 "اسی انگلی کے چکر میں، جو ہمیں ایک پارسل کے ذریعے  
 بھیجی گئی۔ پارسل پر بیچنے والے کا نام فاضل بیگ لکھا تھا، چنانچہ  
 ہم یہاں آئے، تاکہ اس کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کر سکیں  
 پھر آپ نے ہمیں یہ کتاب دی۔ اس کتاب پر آپ نے  
 جگہ جگہ نوٹس لکھے ہوئے ہیں، لیکن حیرت انگیز ترین بات یہ  
 ہے کہ ان نوٹسوں کی تحریر اور پارسل پر لکھے ہوئے پتے کی  
 تحریر میں بال برابر بھی فرق نہیں ہے۔ ایک بچہ بھی دونوں  
 تحریروں کو دیکھ کر فوراً کہہ اٹھے گا۔ ارے یہ تو بالکل ایک  
 ہاتھ کی تحریریں ہیں!"

"یہ۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" بیگم خان تنویر بکلا ہیں۔  
 "دہی جو حقیقت ہے۔ اس کا مطلب ہے، انگلی اس گھر  
 میں موجود تھی۔ آپ نے اس کا ایک پارسل بنایا۔ بیچنے والے  
 کے نام پتے کی جگہ آپ نے اپنے ملازم کا نام لکھ دیا۔ آخر  
 کیوں؟ یہ سب چکر کیا ہے؟" یہاں تک کہ کمرہ میں خاموش ہو گیا۔  
 چند لمحوں کے لیے کمرے میں موت کا سناٹا طاری ہو گیا۔  
 ہر کوئی بیگم خان تنویر کو تنکے جا رہا تھا۔

"اُٹ فدا! میں کیا کروں؟" کیا بتاؤں؟ آخر بیگم خان تنویر  
 کی آواز کمرے میں ابھری۔

"ذرا وضاحت کریں، آپ کیا کہنا چاہتی ہیں؟"  
 "بات دراصل یہ ہے کہ....."

اس کے الفاظ درمیان میں ہی رہ گئے۔ اسی وقت کوٹھی  
 میں ایک دھماکے کی آواز گونجی تھی۔ آواز اس قدر تیز تھی  
 کہ ہم اچھل پڑے۔ کاشان کے جلے نے تو ہمارے مہے سے  
 ہوش اُڑا دیے۔

"اُٹ فدا! یہ تو گولی چلنے کی آواز ہے۔" یہ کہتے ہی  
 وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔ اکبر راٹھور نے بھی اس کے پیچھے دوڑ  
 لگا دی۔ اب ہم کمرے میں ٹھہر کر کیا کرتے۔ صورت حال معلوم  
 کرنے کے لیے باہر نکلنا ہی پڑا۔ اگرچہ ٹانگیں ٹھہر کر کانپ رہی  
 تھیں۔ عین اسی وقت تڑا تڑا تین فائر اور ہوئے، پھر کوئی چیخا۔  
 "تم، تم، تم پاگل ہو گئے ہو، میں کتا ہوں، پستول چھینک دو!"  
 ہم نے محسوس کیا، آواز خان تنویر کی ہے۔

جملہ ختم ہوتے ہی تین فائر اور ہوئے۔ ہم دیوار کے ساتھ  
 ساتھ آواز کی سمت میں بڑھتے چلے گئے۔ گولیاں ڈرائنگ روم  
 میں چل رہی تھیں۔ خان تنویر کا ڈرائنگ روم گویا چاند ماری کا  
 میدان بنا ہوا تھا۔

"خبردار! یہ کیا ہو رہا ہے۔ گولیاں چلانے والے کو  
 معلوم ہونا چاہیے کہ قانون کا ایک محافظ اور کچھ دوسرے لوگ



بھی یہاں موجود ہیں۔ سب انپکڑ کا شان نے چیخ کر کہا۔

جواب میں کسی نے کچھ نہ کہا۔ موٹ کا سناٹا چھایا رہا۔  
چند سیکنڈ بعد ٹرچ ٹرچ کی آواز سنائی دی۔ پستول کا ٹرگر دبا  
گیا تھا، لیکن اس میں گولیاں ختم ہو چکی تھیں۔ یہ بات محسوس  
کرتے ہی سب انپکڑ کا شان تیزی سے ڈرائنگ روم کی طرف بڑھا۔  
اکبر الٹھور نے اس کا ساتھ دیا اور دونوں اندر داخل ہو گئے۔  
ساتھ ہی کا شان نے بارعب آواز میں کہا۔

”ہاتھ اوپر اٹھا دو، پستول نیچے گرا دو۔“

ہم نے پستول نیچے گرنے کی آواز سنی، تب کہیں جا کر  
ہم اندر داخل ہونے کی ہمت کر سکے۔ ہم نے دیکھا، کمرے  
میں خان تنویر کے علاوہ باہر نیاز بھی موجود تھا۔ پستول باہر نیاز  
کے پیروں کے پاس پڑا تھا اور ہاتھ بھی اس نے سر سے بند  
کر رکھے تھے، گویا فائرنگ اسی نے کی تھی۔ وہ ابھی تک  
خان تنویر کو کھانے والی نظروں سے گھور رہا تھا۔

”آخر یہ اس گھر میں ہو کیا رہا ہے۔“

”انگلی کی خاطر جنگ ہو رہی ہے۔“ آفتاب مسکرایا۔

”آفتاب، تم چپ رہو۔ اب اس معاملے کو طے ہو ہی

جانا چاہیے، کیونکہ نوبت گولیاں چلنے پر پہنچ گئی ہے۔ میرے  
خیال میں بہتر یہ ہو گا کہ ہم سب اطمینان سے بیٹھ کر بات کریں۔“

”اس میں کوئی حرج نہیں، کا شان نے کہا۔

”ٹھیک ہے، میں فی الحال پستول پیٹی میں رکھے لیتا ہوں۔

اگر آپ میں سے کسی نے کوئی شرارت کی تو پھر میں حرکت  
میں آ جاؤں گا۔“

”کا شان صاحب، میں چاہتا ہوں، اس موقع پر فاضل بیگ  
ڈگو اور سم بہرام بھی یہاں موجود ہوں، تبھی ساری حقیقت کا  
پتا چل سکے گا۔“

”اچھی بات ہے، فاضل بیگ تو یہیں موجود ہے۔ میں

سم بہرام کو فون کر دیتا ہوں اور ڈگو کے لیے بھی فون کر دیتا  
ہوں۔“

”بہت بہت شکریہ۔“ میں نے کہا اور وہ فون کی طرف  
بڑھ گیا۔

باہر نیاز اور خان تنویر پہر گویا سکتے طاری تھا۔ اب

ان کی نظریں فرش میں گڑھی ہوئی تھیں۔ خان تنویر نے دو  
ایک بار اپنی بیگم کی طرف منورہ دیکھا تھا اور ہم نے صاف  
محسوس کیا، اس کی آنکھوں میں بے چارگی کے آثار تھے۔ آخر  
اس نے کہا:

”آپ لوگ کب سے یہاں موجود ہیں۔ کیا ابھی ابھی آئے

ہیں؟“



"تھوڑی دیر پہلے ہم آپ کی بیگم سے چند سوالات کرنے آئے تھے۔ اسی انگلی کے سلسلے میں۔ ابھی بات کر رہے تھے کہ فائبرنگ کی آواز سنی اور پھر ہمیں یہاں آنا پڑ گیا۔"

"اللہ نے مجھے بچایا۔ ورنہ اس نے تو ختم کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی۔ ات خدا، پورے سات فائبر کیے ہیں اس نے، لیکن شاید اس کا نشانہ بالکل ہی بے کار ہے۔ گویاں میرے دائیں بائیں اور اوپر سے نکل گئیں۔"

"موت اور زندگی خدا کے ماتھے ہے۔" اشفاق نے پھت کی طرف دیکھا۔ اسی وقت کا شان ہماری طرف مڑتے ہوئے بولا۔

"وہ آ رہے ہیں، البتہ سر بہرام میرا فون اور خواہش سن سن کر بہت حیرت زدہ لگ رہے تھے۔ اس کی آواز تک کانپ رہی تھی، نہ جانے کیا معاملہ ہے؟"

"اب معاملہ سامنے آئے بغیر نہیں رہے گا۔" میں نے پُریقین لہجے میں کہا۔

ٹھیک بیس منٹ بعد کمرے میں ڈگو اور سر بہرام بھی موجود تھے۔ ان دونوں کو پہلے تو اس گھر میں ہونے والے ہنگامے کے بارے میں بتایا گیا، پھر میں نے کہا۔

"کیا آپ میں سے کوئی بتا سکتا ہے کہ انگلی کہاں ہے؟"

ان میں سے کوئی کچھ نہ بولا تو میں نے تنگ آ کر کہا:

"خیر، نہ بتائیے۔ لیکن اتنا سن لیجیے کہ اگر آپ لوگوں نے زبانی نہ کھولیں تو یہ معاملہ جوں کا توں رہے گا اور کوئی نہیں جان سکے گا کہ اس انگلی کا راز کیا تھا۔ اب مجھ سے حالات سنئے۔ یہ کہہ کر میں نے پارسل سٹے، پارسل پیر لکھا پتا پڑھ کر فاضل بیگ سے ملاقات کرنے، پھر اخبار میں اشتہار دینے اور اس کے بعد کے واقعات بھی سنا دیے۔ بیگم خان تنویر سے کتاب لے جانے اور ڈگو کا ہمیں اغوا کر کے لے جانے اور قید کرنے کے بارے میں بھی بتا دیا۔ یہ بھی کہ اس دوران ڈگو ہم سے صرف اس انگلی کا پتا معلوم کرنا چاہتا تھا، لیکن انگلی تو ہمارے گھر سے غائب کر دی گئی تھی، ہم اسے کیا بتاتے۔ کتاب کے حاشیوں پر مجھے بیگم خان تنویر کے ہاتھ کی تحریر نظر آئی تھی، اس لیے ہم نے پڑھنے کے بہانے کتاب لے لی تھی اور گھر سے نکل آئے تھے۔ باہر نکل کر جب ہم نے پارسل والی تحریر سے اس تحریر کو ملایا تو ان میں کوئی فرق نظر نہ آیا۔"

"کیا؟ کئی حیرت زدہ آوازیں ابھریں۔"

"جی ہاں، وہ پارسل دراصل ہیں بیگم خان تنویر نے بھیجا تھا۔ جیسے دلے کے نام پتے کی جگہ انہوں نے اپنے نام کی بجائے اپنے ملازم کا نام پتا لکھ دیا۔ صاف ظاہر تھا، ملازم انکار ہی کرتا اور اس سے صاف ظاہر ہے کہ انگلی دراصل اس



گھر میں موجود تھی۔ چونکہ اس انگلی کے سسلے میں کافی ہنگامہ ہو چکا ہے، اس لیے قانون بیگم خان تنویر کو مجبور کر سکتا ہے کہ وہ اس انگلی کے بارے میں جو کچھ جانتی ہیں بتائیں۔

یہاں تک کہ کمر میں خاموش ہو گیا۔ کمرے میں موت کا سناٹا طاری ہو گیا۔ ہر شخص شدید بے چینی کا شکار نظر آتا تھا۔ سب کی نظریں بیگم خان تنویر پر جمی تھیں، ایسے میں ہم نے دیکھا، خان تنویر اپنی بیگم کو خوشخوار نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ شاید انہیں بھی یہ بات اسی وقت معلوم ہوئی تھی کہ انگلی ان کی بیگم نے پارسل کی ہے۔ آخر بیگم خان تنویر کا سر اوپر اٹھا اور ان کی آواز کمرے میں ابھری۔

”اس میں کوئی شک نہیں کہ انگلی بذریعہ پارسل میں نے ہی شوکی اینڈ کو کو بھیجی تھی اور یہ کہ انگلی دراصل خان صاحب کی تجوری کے ایک خفیہ خانے میں موجود تھی۔ ایک دوزخجے اپنا ایک زیور نہیں مل رہا تھا۔ اس زیور کی تلاش میں اتفاقی طور پر وہ خانہ مجھ سے کھل گیا۔ اس کے بارے میں مجھے کوئی علم نہیں تھا۔ یہ دیکھ کر میں دھک سے رہ گئی کہ اس خفیہ خانے میں ایک انسانی انگلی رکھی تھی اور اس خانے میں موم کی قسم کا لیسٹا سا مادہ بھی موجود تھا۔ انگلی اس مادے میں چھپی ہوئی تھی۔ شاید وہ مادہ اسے محفوظ رکھنے کے لیے تھا۔ انسانی انگلی دیکھ کر میں حقر انگلی

جلدی سے خانہ بند کر دیا۔ اور تجوری بند کر کے وہاں سے ہٹ گئی۔ اس کے بعد سے میں نے اپنے شوہر کی نگرانی شروع کر دی۔ انگلی ہر وقت میرے ذہن میں چھٹی رہتی تھی۔ ابھی تک کوئی ایسا آدمی نظر نہیں آیا تھا جس کے ہاتھ کی انگلی کٹی ہوئی ہو۔ یہ سوچ سوچ کر پریشان ہوتی رہتی کہ انگلی آخر کس کے ہاتھ کی ہے۔ ان کا کوئی دوست ملنے آتا تو میں ان کی گنت گونسنے کی کوشش بھی کرتی، لیکن کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ آخر میں نے ایک حیرت انگیز فیصلہ کیا۔ میں آئے دن اخبارات میں شوکی برادرز کے کارنامے پڑھتی رہتی تھی۔ خود مجھے ہا سوسی ناول پڑھنے کا جنون کی حد تک شوق ہے۔ میری طبیعت میں تجسس بے پناہ ہے، چنانچہ میں نے خفیہ خانے میں سے انگلی نکالی، پارسل بنایا اور شوکی برادرز کا پتا اس پر لکھ دیا۔ اب سوال یہ پیدا ہوا کہ بھیجنے والے کا نام پتا کیا لکھوں۔ میں کوئی فرضی نام پتا بھی لکھ سکتی تھی، لیکن میں تو یہ چاہتی تھی کہ شوکی برادرز کو کوئی تو سراغ ملے، ورنہ یہ بیچارے بھٹکتے پھرتے اور انگلی کا راز پھر بھی حل نہ ہو پاتا، لہذا میں نے اپنے خاندان کا نام پتا لکھ دیا اور پارسل ان لوگوں کو بھیج دیا۔ بس میرا تو اس انگلی سے صرت اتنا تعلق ہے کہ یہاں تک کہ گروہ خاموش ہو گئی۔ کمرے میں ایک بار پھر گہری خاموشی طاری ہو گئی۔ آخر سب اظہار کاشان نے کہا:



”مستر خان تنویر! قانون آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہے کہ ایک انسانی انگلی آپ کی تجوری میں کیوں موجود تھی؟ اس کے سوال پر خان تنویر نے مسکرا کر سب کو دیکھا اور بولا :

”کہنے کو تو میں یہ بھی کہہ سکتا تھا کہ میری بیگم نے ایک من گھڑٹ کہانی سنائی ہے اور یہ میرے غلات کوئی سازش کر رہی ہیں! لیکن ان حالات میں جب کہ میری زندگی کا بہترین دوست بابر نیاز مجھ پر سات گولیاں چلا چکا ہے۔ میں یہ نہیں کہوں گا۔ اب میں صرف اور صرف حقیقت بیان کروں گا اور حقیقت یہ ہے کہ وہ انگلی میرے دوست بابر نیاز نے میرے پاس امانت رکھوائی تھی۔ میں نے امانت رکھنے سے پہلے اس کے بارے میں جانتا چاہا، لیکن بابر نیاز نے ایک لفظ بھی نہیں بتایا، بس اتنا ہی کہا کہ وقت آنے پر بتا دوں گا! لہذا میں بھی اتنا ہی بے خبر ہوں جتنا کہ میری بیگم۔ اس وقت میرے دوست نے فائرنگ اسی طیش میں آکر کی کہ میں نے ان کی امانت کی حفاظت کیوں نہیں کی۔ خان تنویر خاموش نہو گیا۔ اب سب کی نظریں بابر نیاز پر جم گئیں۔ عجیب معاملہ تھا۔ لوگوں کی بے چینی اپنے عروج پر پہنچتی جا رہی تھی اور معاملہ آگے ہی آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ جب کئی منٹ گزر گئے اور پھر بھی بابر نیاز نے سر اوپر اٹھایا، نہ اس کے ہونٹ ہلے تو آفتاب سے رہا نہ گیا۔

”مستر بابر نیاز! سب لوگ آپ کی آواز سننے کو ترس گئے ہیں۔ اتنا تو کسی شاعر نے بھی اپنے سننے والوں کو نہیں ترسایا ہوگا۔ کچھ تو کیجئے! کیا ہم اس گھر سے مایوس ہوئیں گے۔“

”اب یہ کیا بولیں گے۔ کہانی کا بقیہ حصہ آپ کو میں سنائوں گا!“ ایسے میں سر بہرام کی آواز گونج اٹھی۔ ہم سب حیرت زدہ انداز میں اس کی طرف مڑے۔ ہم نے دیکھا، ان کے چہرے پر ایک پرامن مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔



## معاوضہ

چند سیکنڈ تک سب کی طرف دیکھنے کے بعد انہوں نے کہا :  
 " بات یوں آپ کی سمجھ میں نہیں آئے گی۔ مجھے ایک فون  
 کرنے کی اجازت دیجیے۔ میں ذرا وکیل کو فون کروں گا۔  
 " ضرور کیجیے " کا شان نے کہا۔  
 وکیل کو فون کیا گیا، پھر ان کا انتظار شروع ہوا۔ آخر وہ آئے  
 اور کمرے کا احوال دیکھ کر یک محنت سنجیدہ ہو گئے۔  
 " خیر تو ہے سر۔ "

" ہاں، بس خیر ہی ہے۔ والد صاحب کا وصیت نامہ ان لوگوں  
 کو سننا درجیجے۔ میں نے ساتھ لانے کے لیے کہہ دیا تھا۔  
 " جی ہاں۔ اور میں ساتھ لایا ہوں، آپ سب لوگ بہت سنجیدہ  
 معلوم ہو رہے ہیں، آخر معاملہ کیا ہے؟  
 " معاملہ بھی معلوم ہو جاتا ہے۔ آپ پہلے وصیت نامہ سنائیے۔  
 " جی بہتر۔ وکیل نے کہا اور بیٹھ کر کاغذات نکالنے لگا۔ آخر

اس نے کہنا شروع کیا :

" سر بہرام کے والد سر اکرام مرزا نے یہ وصیت نامہ مجھ سے دس  
 سال پہلے لکھوایا تھا۔ اس وقت سر بہرام ملک سے باہر اعلیٰ تعلیم  
 کے سلسلے میں گئے ہوئے تھے۔ وصیت نامے کے الفاظ یہ ہیں، میں  
 اپنی تمام جائیداد اپنے چھوٹے بیٹے بہرام مرزا کے نام کرتا ہوں اور  
 اپنے بڑے بیٹے کو جو بہرام کا بیٹا بھائی ہے اور میری پہلی بیوی سے  
 ہے۔ جائیداد سے بالکل عاق کرتا ہوں۔ وہ بالکل نافرمان ہے اور  
 ایک عرصے سے گھر سے غائب ہے۔ یہ وضاحت کر دینا بھی ضروری  
 سمجھتا ہوں کہ دونوں کی عمر میں بس ایک سال کا فرق ہے۔ بڑے  
 بیٹے خاور مرزا کی ماں اس کی پیدائش کے دن ہی فوت ہو گئی تھی  
 اور میں نے چند ماہ کے بعد۔۔۔۔۔ ہی دوسری شادی کر  
 لی تھی۔ دونوں کی شکلیں حد درجہ ملتی جلتی ہیں، اس قدر کہ ان  
 میں کوئی فرق نہیں۔ اگر فرق ہے تو ایک انگلی کا۔ بڑے بیٹے  
 خاور مرزا کی انگلی پچپن میں کٹ گئی تھی اور دیر تک الگ رہنے کی  
 وجہ سے جڑ نہیں سکی تھی۔ بس دونوں میں صرف یہ فرق ہے کہ  
 بڑے کے دائیں ہاتھ کی شہادت والی انگلی نہیں ہے۔ اگر کبھی وہ آ  
 کر جائیداد کا مطالبہ کرے تو اسے ایک چوٹی گودڑی بھی دے دی جائے۔  
 یہاں وصیت کے الفاظ ختم ہو جاتے ہیں۔ سر اکرام مرزا نے اقبالا  
 میں عاق نامہ شائع کرنے کا بھی حکم دیا تھا اور میں نے ان کی



ہدایت کے مطابق یہ اشتداد تمام اخبارات میں شائع کرا دیا تھا۔ اس کی دوسرے خادد مرزا کو جائیداد سے بالکل محروم کر دیا گیا تھا۔ سر اکرام مرزا نے خاص طور پر ان اخبارات میں بھی عاق نامہ شائع کرانے کی ہدایت دی تھی جو ملک سے باہر جاتے ہیں۔ اس وصیت نامے کے لکھوانے کے کچھ روز بعد ہی ان پر دل کا دورہ پڑا اور وہ وفات پا گئے۔ پھر بیرون ملک سے مسٹر بہرام مرزا آئے تو انہیں کل جائیداد سو پت دی گئی۔ یہاں تک کہ کروکیل صاحب خاموش ہو گئے۔

سب کے داغ سائیں سائیں کر رہے تھے۔ حیرت انگیز ترین معاملہ تھا۔ اتنا کچھ معلوم ہو جانے کے بعد بھی ابھی بہت کچھ سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ آخر سر بہرام کی آواز سنائی دی :

اب کچھ کچھ معاملہ آپ لوگوں کے ذہنوں میں صاف ہو گیا ہو گا۔ باقی کی وضاحت میں کیے دیتا ہوں۔ میں والد صاحب کی وفات پر یہاں نہیں آسکا تھا، چند ماہ بعد لوٹا تھا۔ ایک دن غیر ملک میں اچانک مجھ پر پیچھے سے حملہ کیا گیا۔ ہوش آیا تو میرے دائیں ہاتھ کی انگلی فاقہ تھی۔ وکیل صاحب کے ذریعے مجھے والد صاحب کی وصیت معلوم ہو گئی تھی، چنانچہ میں بہت گھبرایا۔ فوراً خیال آیا کہ یہ ضرور میرے سوتیلے بھائی کی کارگزاری ہے۔ میں فوراً ایک ماہر ڈاکٹر سے ملا اور اس نے میرے ہاتھ پر مصنوعی انگلی

لگادی۔ صحت یاب ہو کر میں وطن واپس لوٹا۔ کم از کم مجھے امینان تھا تو یہ کہ میرا بھائی مجھ سے پہلے وطن پہنچ کر جائے داد پر قبضہ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس کی انگلی تو ہے ہی نہیں، لیکن میں ڈر رہا تھا کہ کہیں اس نے میری طرح مصنوعی انگلی نہ لگوائی ہو، لیکن یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ یہاں نہیں پہنچا تھا، مجھے بہت حیرت ہوئی کہ وہ کیوں نہیں پہنچا۔ اسے تو یہاں پہنچ کر یہ دعویٰ کرنا چاہیے تھا کہ اصل حقدار وہ ہے، کیونکہ اب دونوں ایک جیسے تھے۔ غیر میں خاموش رہا۔ کچھ عرصے بعد مجھے ایک فون ملا، فون پر کہا گیا، میں جانتا ہوں، تم بہرام مرزا نہیں ہو، خادد مرزا ہو۔ تم نے مصنوعی انگلی لگوا رکھی ہے اور ایک ماہر ڈاکٹر کے ذریعے یہ بات فوراً ثابت کی جاسکتی ہے، لہذا اگر اس راز کو راز رکھنے کے خواہشمند ہو تو فوری طور پر میرے اکاؤنٹ میں ایک لاکھ روپے جمع کرا دو۔ میرا نمبر نوٹ کر لو۔ سلیپ پر نام ہمایوں نیر لکھنا۔ میں نے پھر اور نام نوٹ کر لیا اور دوسرے دن ایک لاکھ روپے جمع کروا دیے، کیونکہ وہ بہت آسانی سے مجھے خادد ثابت کر سکتا تھا۔ مصنوعی انگلی میرے غلات سب سے بڑا ثبوت تھی۔ دو ماہ بعد اس کا فون پھر ملا۔ اس مرتبہ اس نے پھر ایک لاکھ روپے جمع کرانے کی ہدایت کی۔ میں گھبرا گیا، لیکن اس نے میری کوئی بات نہ سنی۔ مجھے پھر ایک لاکھ جمع کروانا پڑے، ورنہ بیٹھے بھگتے



تمام دولت سے ہاتھ دھو بیٹھتا اور یہ سلسلہ مدتوں سے جاری ہے۔ وہ مجھ سے اس انگلی کے جھانسنے میں اب تک تقریباً ساٹھ لاکھ روپے وصول کر چکا ہے اور اس رقم کا انکم ٹیکس بھی مجھے ادا کرنا پڑتا ہے۔ پرسوں اچانک اخبار میں ایک انگلی کی خبر پڑھی تو میں دھک سے رہ گیا اور فوری طور پر شوکی برادرزنگ پہنچا۔ یہ لوگ معاوضے پر نہیں، صرف اس بات پر اڑے ہوئے تھے کہ پہلے یہ ثابت کیا جائے کہ انگلی واقعی طلب کرنے والے کی ہے۔ اب یہ بات میں ان سے کس طرح کہہ دیتا۔ خیر میں یہ سوچ کر واپس چلا گیا کہ تیل دیکھو، تیل کی دھار دیکھو اور اب تمام حالات آپ کے سامنے ہیں۔

یہ کہہ کر سر بہرام خاموش ہو گئے۔ اب ہم سب بابر نیاز کو دیکھ رہے تھے۔ اس کی شکل صورت سر بہرام سے بالکل نہیں مل رہی تھی، نہ اس کے ہاتھ کی انگلی کٹی ہوئی تھی۔ ہاں یہ ہو سکتا تھا کہ اس نے بھی مصنوعی انگلی لگوا لی ہو اور میک اپ میں ہو چنانچہ میں نے پوچھا:

”مسٹر بابر نیاز، کیا آپ غادر بنا ہیں؟“

”نہیں، میں بابر نیاز ہی ہوں۔ اب میں جھوٹ بول کر بھی نہیں بچ سکتا، کیونکہ چہرے پر میک اپ نہیں ہے، لہذا سچ کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ میں نے سر اکرام مرزا کا عاق نامہ پڑھ کر

یہ سارا منصوبہ بنایا تھا۔ عاق نامے میں بھی تقریباً پوری وصیت شامل کی گئی تھی۔ میں نے سر بہرام کے بارے میں تمام معلومات حاصل کیں۔ اور پھر اس ملک پہنچا۔ ایک رات بچے سے صلہ کر کے انہیں بے ہوش کیا اور انگلی کاٹ کر لے آیا۔ یہ ہے کل کمائی۔ اس نے کہا اور خاموش ہو گیا۔

”گویا مجرم ہم سب کے سامنے ہے۔ اُٹ فدا، تو یہ تھی کل کمائی۔ حیرت ہے، بلکہ کمال ہے اور مجھے اعتراف ہے کہ آخر وقت تک میں بالکل نہیں سمجھ سکا کہ اونٹ اس کروش بیٹھے گا۔ آفتاب نے لمبا سانس بھر کر کہا۔

”ایک تم ہی کیا۔ شاید کوئی بھی نہیں سمجھ سکا۔ میں نے بُرا سامنہ بنایا۔

”انگل کا شان، دیکھ کیا رہے ہیں۔ ہم نے اس مرتبہ آپ کو ایک بہت شایدا مجرم پیش کیا ہے۔“ آفتاب پہنکا۔

”ہاں، اس میں کیا شک ہے۔“ کا شان خوش ہو کر بولا اور ہنسنے لگا۔

”ارے، ٹائٹل۔ اوہ اوہ۔“ اشتفاق کے منہ سے بے ربط افلاز میں نکلا۔

”خیر تو ہے ساتی۔ میں گھبرا گیا۔ خیال آیا، کہیں اس کے دماغ پر کوئی بُرا اثر تو نہیں ہو گیا۔



”وہ وہ۔ یعنی کہ وہ۔ ہم اسے تو بھول ہی گئے۔“

”کسے؟“ اخلاق جلدی سے بولا۔

”اسی سارے ہنگامے کی جرئت انگلی کو۔“

”ارے ہم سب کے منہ سے ایک ساتھ نکلا اور پھر سب کے

سب بابر نیاز کی طرف ٹر گئے۔ سب اسے سوائید نظروں سے دیکھنے لگے۔

”مجھے نہیں معلوم انگلی کہاں ہے۔“ اس نے کہا۔

”جی کیا مطلب، اگر آپ کو نہیں معلوم تو پھر کسے معلوم

ہوگا۔ کیا انگلی آپ نے نہیں چرائی تھی ہمارے گھر سے۔“

”نہیں، بالکل نہیں۔ میری زندگی کی سب سے بڑی بیوقوفی

تو یہی ہے کہ انگلی کو ساتھ لے آیا اور بطور امانت رکھوا دیا۔“

”تو پھر مسٹر ڈگو، یہ کام تمہارا ہے؟“

”اگر میں نے چرائی ہوتی تو تم لوگوں کو اغوا کر کے اس

مکان میں قید کیوں کرتا۔“

”ارے تو پھر، خان تنویر صاحب۔ یہ کام۔ آپ کا ہے؟“

آفتاب نے ہر تازہ انداز میں کہا۔

”بالکل نہیں۔ ہاں، میں نے ڈگو کو یہ حکم ضرور دیا تھا کہ

کسی نہ کسی طرح انگلی کو واپس لاؤ، لیکن میں نے اس سے یہ ہرگز

نہیں کہا تھا کہ آپ لوگوں کو اغوا کر کے قید کر دے۔ یہ اس کا

اپنا فعل تھا۔ اتنا حکم بھی میں نے اس لیے دیا تھا کہ میرا بچپن

کا دوست مجھ پر نہ بگڑے، لیکن ڈگو بھی انگلی نہ لاسکا۔ اس

نے کوشش بھی کی تو اپنے لالچ کے تحت۔“

”تو پھر، آخر انگلی کس نے چرائی۔ سر بہرام، اب صرف آپ

ہی بچے ہیں۔“

”نہیں، میں نے بھی نہیں چرائی۔“

اور ہم سب بھونچکے رہ گئے۔ سب کچھ معلوم ہو جانے اور

سادا معاملہ حل ہو جانے کے بعد بھی ایک بات کسی کو معلوم

نہیں تھی۔ یہ کہ انگلی کہاں ہے۔ ہم چاروں سوچ کے سمندر

میں اتر گئے۔ دوسرے ہمیں عذر سے دیکھتے رہے۔ آخر میں مسکرا

اٹھا اور بولا:

”میں جان گیا ہوں کہ انگلی کس کے پاس ہے۔ آپ میں

سے جو بھی ہمارے ساتھ چلنا چاہیں، چل سکتے ہیں۔ ہم انگلی برآمد

کر دیں گے۔“

”تب تو ہم سبھی چل رہے ہیں۔“ سر بہرام نے خوش ہو کر

کہا۔ خوشی ان سے سنہارے نہیں سنہیل رہی تھی۔

یہ قافلہ جیسپوں اور کاروں میں روانہ ہوا۔ ہماری کار سب

سے آگے تھی۔ ہم اپنے دفتر سے ہو کر گھر کے اندر دلی صفے میں

پہنچے۔ میں نے بند آواز میں کہا،



”امی جان — آپ کہاں ہیں — دیکھیے تو کون لوگ آئے ہیں۔“

”ابھی آئی — ان کی آواز سنائی دی — جلد ہی وہ باورچی خانے سے اور آبا جان اپنے کمرے سے نکلتے نظر آئے، پھر اتنے بہت سے لوگوں کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔“

”امی جان، ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اگلی آپ کے پاس ہے۔“

”ماں، یہ بات تو بالکل درست ہے — میں نے اس خیال سے اسے ایک اور جگہ چھپا دیا تھا کہ قیمتی چیز ہے۔“

لوگ اس کے لاکھوں روپے دے رہے ہیں، کیس کوئی چرانے کا پروگرام بنائے۔ وہ میں نے باورچی خانے میں نمک کے ڈبے میں نمک میں رکھی ہوئی ہے۔ اس طرح وہ خراب ہونے سے بھی بچ گئی۔ انہوں نے شوق انداز میں کہا اور سب کے چہروں پر مسکراہٹیں رنگ گئیں۔ آبا جان کی آنکھیں حیرت سے پھٹ پڑیں — وہی باورچی خانے میں گئیں اور نمک کا ڈبا اٹھا لیں، ہم نے پورا ڈبا ہی سر بہرام کو پیش کر دیا۔ آفتاب نے اس موقع پر کہا:

”آپ کی امانت —“

اور وہ مسکراتے ہوئے — ہم سب دفتر میں آکر بیٹھ گئے۔

اس وقت سر بہرام نے جیب سے چیک بک نکالی اور میرے سامنے رکھ دی:

”مسٹر شوکی، یہ سادہ چیک ہے، اس پر جتنی جی چاہے رقم لکھ لیجیے۔“

”جناب، یہ اس کام کو بہتر طور پر نہیں کر سکیں گے۔ یہ کام مجھ سے کرائیے۔“ آفتاب نے چیک بک کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ لیکن میں نے اس کا ہاتھ پرے جھٹک دیا۔

”معاف کیجیے گا جناب، ہم آپ سے کس بات کا معاوضہ لیں؟“

”میں ایک مجرم کے پھندے میں بری طرح پھنسا ہوا تھا۔ آپ لوگوں کی وجہ سے اس میں سے نکل آیا۔ کیا یہ کم بات ہے۔“

اور پھر تقریباً چھ لاکھ روپے سالانہ اسے ادا کرنا پڑتے تھے۔ سر بہرام بولا۔

”پھر تو اس رقم کی حقدار بیگم خان تنویر ہیں۔ اصل کارنامہ تو انہوں نے انجام دیا ہے۔“

اور میں نے پانچ ہزار روپے کا چیک کاٹ لیا۔ یہ دیکھ کر سر بہرام چلا اٹھے۔

”یہ کیا — صرف پانچ ہزار — کم از کم پانچ لاکھ تو لیں۔“

”نہیں جناب، ہم نے حلال کی روزی کھانے کا تہیہ کر رکھا۔“



ہے۔ اور پانچ لاکھ روپے حلال روزی نہیں ہو سکے تھاتنے سے کام کے۔

”ارے بھئی، آپ لوگوں نے اپنی جان پر کھیل کر یہ کام کیا ہے۔“

”کچھ بھی ہو، ہمارے لیے یہی رقم بہت ہے۔“

انہوں نے بہت اصرار کیا، مگر ہمارے سامنے ان کی ایک نہ چلی۔ آخر وہ سب رخصت ہو گئے۔ ہم اندر داخل ہوئے تو امی جان کا منہ پھولا ہوا تھا۔

”شوکی، میں تم سے بہت ناراض ہوں، تم کم از کم ایک لاکھ روپے تو لے لیتے۔“

”اور میں بہت خوش ہوں شوکی۔ تم نے بالکل جائز قسم لی۔“

”میں کہتی ہوں، جب رقم کا مالک خود رقم دینے پر بغیر ہو تو جائز اور ناجائز کی کیا بات رہ جاتی ہے۔“ امی جان چلائیں۔  
”رہ جاتی ہے۔ ہمارا فرض جو بنتا ہے، ہم صرف وہی کر سکتے ہیں۔“

”آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں ابّا جان۔ ہم ایک ساتھ بوسے۔ لیکن آفتاب کی آواز شامل نہیں تھی۔“

”امی جان پاؤں پیچھتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف چلی گئیں۔“

چند سیکنڈ تک آفتاب کھڑا بڑے بڑے منہ بناتا رہا، پھر وہ بھی امی جان کے انداز میں ان کے کمرے کی طرف بڑھ گیا اور ہم برآمدے میں کھڑے مسکراتے رہ گئے۔





## اشتیاق احمد کی زندگی کا پہلا خاص نمبر

### آئندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزاد، انسپٹر جمشید

— اور —

آفتاب، آصف، فرحت، انسپٹر کامران مرزا  
کا مشترکہ کارنامہ

۲۰ جون کو پڑھیے  
قیمت ۳۰ روپے

انسپٹر جمشید سیریز

## جیرال کا منصوبہ

مصنف: اشتیاق احمد

○ یہ خاص نمبر ایک مدت سے ختم تھا۔ اس کی اشاعت کے لیے آپ نے بار بار خطوط لکھے۔

○ آپ کے خطوط کے احترام میں، ایک بار پھر اسے نئے سرورق کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے۔

○ انسپٹر جمشید پاڈی اور انسپٹر کامران مرزا پاڈی کی ملاقات ان کے حالات میں ہوئی۔

○ اور پھر منور علی خان بھی تو اپنی تمام تر شکاری صلاحیتوں کے ساتھ موجود ہیں۔

○ سب سے بڑھ کر یہ کہ جیرال ان کے مقابلے میں آ رہا ہے۔

○ صرف جیرال ہی نہیں۔ کالی آنکھ بھی۔ گویا دو خونخاک مجرم آپ کے محبوب کرداروں سے ٹکرائیں گے۔ وہ

دونوں مل کر آپ کے کرداروں کا ناطقہ کس طرح بند کرتے ہیں۔ سنسنی خیز لمحات۔ آپ کو اپنے سانس سینوں میں اٹکتے محسوس ہوں گے۔

○ جیرال کا منصوبہ کیا تھا؟ آپ سکتے ہیں رہ جائیں گے۔

○ آپ کے کردار آپ کو ایسی وادی میں لے جائیں گے،

جہاں سے نکلنا جان جو کھوں کا کام تھا۔

○ انسپٹر جمشید کا جیرال سے خون ناک مقابلہ۔



○ جب کہ انکسٹر کا مران مرزا اور کالی آنکھ آسنے سامنے آئے۔  
○ محمود، فاروق، فرزانه، آفتاب، آصف اور فرحت  
○ مختلف پارٹیوں میں کس طرح تقسیم ہوئے۔ آپ مسکرائیں  
○ گے۔ ہنسیں گے۔

○ شوخیاں آپ کو اپنی پلیٹ میں لے لیں گی۔  
○ سیکڑوں جھٹکی ان پرتیروں کی بارش کرتے نظر آئیں گے۔  
○ اور اس ہولناک وادی میں ان کے پاس دشمنوں سے مقابلہ  
○ کرنے کے لیے کوئی ہتھیار نہیں تھا۔

○ تب پھر انھوں نے مقابلہ کس طرح کیا۔

○ ایک دلچسپ صورت حال۔

○ وہ خاص نمبر۔ جو پہلی بار چھپا اور ہاتھوں ہاتھ بک گیا۔

○ جسے "جیرال کا پہلا خاص نمبر" کا نام دیا گیا۔

○ حیرتوں کا طوفان لیے ایک کہانی۔

○ آخر میں آپ دھک سے رہ جائیں گے۔

○ ناول محدود تعداد میں شائع کیا جا رہا ہے، لہذا آپ

○ اپنی کاپی آج ہی محفوظ کروالیں۔ پھر نہ کہیے گا، ہم

○ تو ہاتھ ملتے رہ گئے۔

○ آپ کو خبردار کر دینا میرا فرض تھا۔ اسے آئندہ جلد شائع

○ نہیں کیا جائے گا۔





## اشتیاق احمد

کے سنسی خیز، جنگم آرا، مزاح اور ہنسوں  
سے بھرپور ناول

اس  
ماہ  
کے  
ناول

|                  |                  |
|------------------|------------------|
| ۳۲۰۔ چھٹا نمبر   | ۳۱۰۔ چھٹا نمبر   |
| ۳۱۵۔ زندہ متعلق  | ۳۰۵۔ آخری تیر    |
| ۳۱۰۔ آخری تیر    | ۳۰۰۔ گہرے کاٹ    |
| ۳۰۵۔ گہرے کاٹ    | ۲۹۵۔ غول پیل     |
| ۲۹۵۔ غول پیل     | ۲۹۰۔ غول دھانکے  |
| ۲۸۵۔ غول دھانکے  | ۲۸۰۔ غول کی کجست |
| ۲۷۵۔ غول کی کجست | ۲۷۰۔ غول کی کجست |
| ۲۶۵۔ غول کی کجست | ۲۶۰۔ غول کی کجست |
| ۲۵۵۔ غول کی کجست | ۲۵۰۔ غول کی کجست |
| ۲۴۵۔ غول کی کجست | ۲۴۰۔ غول کی کجست |
| ۲۳۵۔ غول کی کجست | ۲۳۰۔ غول کی کجست |
| ۲۲۵۔ غول کی کجست | ۲۲۰۔ غول کی کجست |
| ۲۱۵۔ غول کی کجست | ۲۱۰۔ غول کی کجست |
| ۲۰۵۔ غول کی کجست | ۲۰۰۔ غول کی کجست |
| ۱۹۵۔ غول کی کجست | ۱۹۰۔ غول کی کجست |
| ۱۸۵۔ غول کی کجست | ۱۸۰۔ غول کی کجست |
| ۱۷۵۔ غول کی کجست | ۱۷۰۔ غول کی کجست |
| ۱۶۵۔ غول کی کجست | ۱۶۰۔ غول کی کجست |
| ۱۵۵۔ غول کی کجست | ۱۵۰۔ غول کی کجست |
| ۱۴۵۔ غول کی کجست | ۱۴۰۔ غول کی کجست |
| ۱۳۵۔ غول کی کجست | ۱۳۰۔ غول کی کجست |
| ۱۲۵۔ غول کی کجست | ۱۲۰۔ غول کی کجست |
| ۱۱۵۔ غول کی کجست | ۱۱۰۔ غول کی کجست |
| ۱۰۵۔ غول کی کجست | ۱۰۰۔ غول کی کجست |
| ۹۵۔ غول کی کجست  | ۹۰۔ غول کی کجست  |
| ۸۵۔ غول کی کجست  | ۸۰۔ غول کی کجست  |
| ۷۵۔ غول کی کجست  | ۷۰۔ غول کی کجست  |
| ۶۵۔ غول کی کجست  | ۶۰۔ غول کی کجست  |
| ۵۵۔ غول کی کجست  | ۵۰۔ غول کی کجست  |
| ۴۵۔ غول کی کجست  | ۴۰۔ غول کی کجست  |
| ۳۵۔ غول کی کجست  | ۳۰۔ غول کی کجست  |
| ۲۵۔ غول کی کجست  | ۲۰۔ غول کی کجست  |
| ۱۵۔ غول کی کجست  | ۱۰۔ غول کی کجست  |
| ۵۔ غول کی کجست   | ۰۔ غول کی کجست   |

آئندہ  
ماہ  
کے  
ناول

|                   |                |
|-------------------|----------------|
| ۳۔ برف کے اُس پار | ۱۹۔ تیسرا آدمی |
| ۲۔ برف کے اُس پار | ۱۸۔ تیسرا آدمی |
| ۱۔ برف کے اُس پار | ۱۷۔ تیسرا آدمی |
| ۰۔ برف کے اُس پار | ۱۶۔ تیسرا آدمی |
| ۰۔ برف کے اُس پار | ۱۵۔ تیسرا آدمی |
| ۰۔ برف کے اُس پار | ۱۴۔ تیسرا آدمی |
| ۰۔ برف کے اُس پار | ۱۳۔ تیسرا آدمی |
| ۰۔ برف کے اُس پار | ۱۲۔ تیسرا آدمی |
| ۰۔ برف کے اُس پار | ۱۱۔ تیسرا آدمی |
| ۰۔ برف کے اُس پار | ۱۰۔ تیسرا آدمی |
| ۰۔ برف کے اُس پار | ۹۔ تیسرا آدمی  |
| ۰۔ برف کے اُس پار | ۸۔ تیسرا آدمی  |
| ۰۔ برف کے اُس پار | ۷۔ تیسرا آدمی  |
| ۰۔ برف کے اُس پار | ۶۔ تیسرا آدمی  |
| ۰۔ برف کے اُس پار | ۵۔ تیسرا آدمی  |
| ۰۔ برف کے اُس پار | ۴۔ تیسرا آدمی  |
| ۰۔ برف کے اُس پار | ۳۔ تیسرا آدمی  |
| ۰۔ برف کے اُس پار | ۲۔ تیسرا آدمی  |
| ۰۔ برف کے اُس پار | ۱۔ تیسرا آدمی  |
| ۰۔ برف کے اُس پار | ۰۔ تیسرا آدمی  |

## اشتیاق پبلی کیشنز

۹ نصیر آباد - شلم پورہ - سانہ گلاں - لاہور - فون: ۳۲۱۵۳۴۰  
بازار لوہاراں - جنگ سند فون: ۳۲۹۵۵۱